مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۶ | رمضان ۱۴۳۶ھ | جولائی ۲۰۱۵ء | شمارہ ۷

ایواء الیتامیٰ

یتیموں کی سرپرستی

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = ۲۰/ روپے | زرسالانہ = ۲۰۰/ روپے

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۲۰/۲۰ ریتی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۲۲۰۲۹

پتہ دفتر

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

۲۹۱ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

(ایواء الیتامٰی)

(یتیموں کی سرپرستی)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	حضور ﷺ کی محبوبیت	۹
۲	انسانی طاقت سے زائد احکام مقرر نہیں کئے گئے	۱۱
۳	تسلی کے اسباب	۱۲
۴	اعمال میں ہمارا طرز عمل	۱۳
۵	ہماری نماز کا حال	۱۴
۶	رحمت خداوندی	۱۵
۷	ہماری نماز کا فائدہ	۱۶
۸	غم کا علاج	۱۷
۹	غلام کی شان	۲۰
۱۰	اللہ تعالیٰ رحیم ہیں	۲۱
۱۱	ولایتی عاشق	۲۱
۱۲	عاشق کی شان	۲۲
۱۳	توحید کا مقتضی	۲۳
۱۴	وحدت الوجود کی حقیقت	۲۴

۱۵	غلط فہمی کا ازالہ	۲۶
۱۶	ہمارے وجود کی حقیقت	۲۶
۱۷	کل شیء ھالك کی تحقیق	۲۷
۱۸	اہل مشاہدہ کے احوال	۲۸
۱۹	اہل حال کا مقام تفویض کا ہے	۲۹
۲۰	قائل مسئلہ وحدۃ الوجود کے بارے میں فتویٰ کفر کی تحقیق	۳۰
۲۱	رد اشکال	۳۱
۲۲	مجذوبوں کی اقسام اور ان کے ساتھ برتاؤ	۳۲
۲۲	کاملین پر غلبہ حال	۳۳
۲۳	''انا للہ'' میں دی گئی تعلیم	۳۴
۲۴	حق تعالیٰ کا برتاؤ رحمت وشفقت پر مبنی ہے	۳۶
۲۶	ہماری حالت	۳۷
۲۷	ہماری جہالت کا حال	۳۸
۲۸	نماز میں کی جانے والی کوتاہیاں	۳۹
۲۹	خشوع کی حقیقت	۴۰
۳۰	حصول خشوع کا طریقہ	۴۱
۳۱	غلط جملے	۴۳
۳۲	انعامات الٰہی	۴۳
۳۳	حضرت لقمان کی دیانت وامانت	۴۳

۴۴	تعلیمِ الٰہی	۳۴
۴۵	تسلی کا مضمون	۳۵
۴۶	ازالہ غم کا اہتمام	۳۶
۴۶	حضور ﷺ کے بشر ہونے کی تحقیق	۳۷
۴۸	ہمارے اور حضور ﷺ کے غم میں فرق	۳۸
۴۹	مزاج کا فرق	۳۹
۵۰	حضور ﷺ کے غمگین ہونے کی وجہ	۴۰
۵۱	عاشق کا حال	۴۱
۵۳	مولانا محمد یعقوب صاحب مہاجر دھلوی کی شفقت	۴۲
۵۵	حضور ﷺ کی تسلی کا مضمون	۴۳
۵۵	علوم عقلیہ میں انبیاء کا کمال	۴۴
۵۶	حضور ﷺ کے علوم	۴۵
۵۷	اللہ تعالیٰ کے احسانات	۴۶
۵۸	شبہ کا جواب	۴۷
۵۸	انقطاع وحی میں حکمت	۴۸
۵۹	رات اور دن کی حکمتیں	۴۹
۶۰	قبض وبسط کا فائدہ	۵۰
۶۱	شبہ کا جواب	۵۱
۶۲	محبوب کے عتاب میں بھی لطف ہے	۵۲

۵۳	ایک بزرگ کا حال	۶۳
۵۴	لطف سماع	۶۴
۵۵	حضور ﷺ کے کمال کا اظہار	۶۵
۵۶	حضرت سلیمان کی تسلی	۶۶
۵۷	حضور ﷺ کا انتخاب	۶۶
۵۸	حضور ﷺ کا غنائے ظاہری	۶۷
۵۹	حضور ﷺ کا کمال ہدایت	۶۸
۶۰	وجہ اختیار مضمون	۶۹
۶۱	چندہ کے بیان سے ناگواری کا سبب	۷۰
۶۲	یتامیٰ کی امداد	۷۰
۶۳	دستکاری کی تعلیم	۷۳
۶۴	دینی تعلیم کے ساتھ دوسری تعلیم کے انضمام کا نقصان	۷۴
۶۵	تعمیر یتیم خانہ میں شرکت کی مختلف صورتیں	۷۵
۶۶	عورتوں سے چندہ لینے میں احتیاط	۷۶
۶۷	چندہ کے حقوق	۷۷
۶۸	جلسہ کی بقیہ کاروائی	۷۷

وعظ

(ایواء الیتامٰی)

(یتیموں کی سرپرستی)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ''ایواء الیتامیٰ'' انجمن موید الاسلام دھلی کی درخواست پر ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ بروز یکشنبہ صبح ۸:۳۰ بجے سے ۱۱:۲۰ تک دو گھنٹہ پچاس منٹ کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا سامعین کی تعداد پندرہ سو سے متجاوز تھی۔

موضوع تھا یتیموں کی امداد اور یتیم خانہ کی تعمیر کے لئے چندہ کی ترغیب۔ حکومت وقت نے یتیم خانہ کو کچھ زمین عطیہ کی تھی اور ایک میعاد مقرر کی تھی کہ اسی وقت تک اگر تعمیر مکمل کرلی تو یہ زمین مسلمانوں کے پاس رہے گی ورنہ غیر مسلموں کو دے دی جائے گی۔ میعاد مقررہ دو مرتبہ بڑھائی گئی لیکن تعمیر مکمل نہ ہوسکی منتظمین انجمن کو فکر ہوئی کہ اگر اب بھی میعاد مقرر میں تعمیر مکمل نہ ہوئی تو حکومت زمین مسلمانوں سے لیکر غیر مسلموں کو دیدے گی۔ مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے جلسہ منعقد کیا گیا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کی درخواست کی گئی۔ بحمد للہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کی برکت سے لوگ متوجہ ہوئے اور اسی مجلس میں سات، آٹھ ہزار روپے کے وعدے لوگوں نے کرلئے (اس زمانے کے آٹھ ہزار آج کے آٹھ لاکھ سے بھی زیادہ ہیں) کچھ نقد بھی امداد ہوئی جس کی مقدار معلوم نہیں۔ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ قلم بند فرمایا۔

یہ وعظ سب کے لئے مفید ہے خصوصا اہل ثروت کے لئے بہت مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۱/شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝﴾(۱)

حضور ﷺ کی محبوبیت

یہ تین آیتیں ہیں سورۂ الضحیٰ کی جن میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو مخاطب فرمایا ہے اور اپنے احسانات یاد دلائے ہیں جس سے ایک حزن کو رفع فرمانا مقصود ہے(۲) جو اس وقت حضور ﷺ پر طاری تھا اور ان احسانات کی یاد دہانی کو اس حزن(۳) کے رفع میں خاص دخل ہے چنانچہ عنقریب معلوم ہوجائیگا۔ اس سے حق تعالیٰ کی جناب میں حضور(۲) کی محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو حضور کا محزون رہنا گوارا نہیں، جہاں ذرا آپ کو حزن ہوا فوراً تسلی کی گئی چنانچہ قرآن میں جا بجا ایسی آیات وارد ہیں جن میں حضور کے حزن کو رفع فرمایا

(۱) سورۃ الضحیٰ: ۶۔۸ (۲) غم کو دور کرنا مقصود ہے (۳) غم۔

گیا ہے کہیں تو حزن سے منع فرمایا ہے جیسے ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾(۱) ایک جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا﴾(۲) یعنی آپ کفار کے حال پر نہ رنج کیجئے نہ ان کی تدبیروں سے تنگ ہوجائیں حق تعالیٰ متقیوں اور نکوکاروں کے ساتھ ہیں اور جو لوگ جلدی جلدی کفر میں پڑتے ہیں وہ آپ کے لئے باعث غم نہ ہوں یہ لوگ آپ کو کچھ ضرر نہیں دے سکتے۔

کہیں اسباب رفع حزن پیدا کردیے کہ آپ کو اگر کچھ حزن ہوا بھی تو فوراً اس کے رفع کے اسباب پیدا فرمادیئے گئے سبحان اللہ کیسی محبت ہے حق تعالیٰ کو آپ ﷺ سے اور آپ کی تو بڑی شان ہے آپ کی وہ برکت ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہیئے کہ حق تعالیٰ کی وہ رحمت ہے کہ آپ کے طفیل سے آپ کی امت کا بھی محزون (۳) رہنا حق تعالیٰ کو گوارا نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے تکویناً وتشریعاً (۴) امت سے بھی رفع حزن وکلفت فرمایا ہے۔ اور چونکہ ازالۂ حزن کی قدر بدون حزن (۵) کے نہیں ہوتی اس لئے بھی اور دوسری حکمتوں کے لئے حزن تو ہوتا ہے مگر جلدی ہی ازالہ کردیا جاتا ہے بلاتشبیہہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے آپ بچوں کو بازار سے کوئی چیز لاکر دیتے ہیں تو فوراً نہیں دیتے بلکہ اول اُس کو دکھلا کر للچاتے ہیں وہ لینے کو دوڑتا ہے آکر لپٹ جاتا ہے تو آپ ہاتھ اونچا کرلیتے ہیں وہ اُچکتا کودتا ہے تو آپ ہاتھ کو اور اونچا کرلیتے ہیں پھر وہ مچلتا ہے ناز کرتا ہے ضد کرتا ہے پھر بسورنے لگتا ہے پھر رونے لگتا ہے تب آپ سے نہیں رہا جاتا اور اُس کو وہ چیز دے دیتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ بھی بعض حکمتوں کی وجہ سے آپ کو تھوڑا سا محزون کرتے ہیں پھر جلدی

(۱) سورہ النحل: ۱۲۷، ۱۲۸ (۲) سورہ ال عمران: ۱۷۶ (۳) غمگین رہنا (۴) شرعاً اور تکویناً امت سے غم کو دور کیا ہے (۵) بغیر غم میں مبتلاء ہوئے۔

ہی حزن کو رفع کر دیتے ہیں اور یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں محض صورت تشبیہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ تاثر سے پاک ہیں اس مثال سے صرف یہ بتلانا ہے کہ بعض دفعہ آپ بھی اپنے کسی محبوب کو تھوڑا سا حزن کسی حکمت یا غرض سے دیا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رنج دینا محبت کے منافی نہیں پس یوں ہی سمجھ لو کہ حق تعالیٰ بھی کسی حکمت سے امت کو تھوڑا سا رنج پہنچا دیتے ہیں یہ بھی محبت کے خلاف نہیں بلکہ اس میں ہماری مصالح مضمر(۱) ہوتی ہیں۔

انسانی طاقت سے زائد احکام مقرر نہیں کئے گئے

حق تعالیٰ نے امت سے رفع کلفت اس طرح فرمایا ہے کہ اول تو اُن پر ایسے احکام مشروع نہیں فرمائے جو طاقت سے زیادہ ہوں پھر ان میں بھی خطاونسیان(۲) کو معاف فرمادیا حدیث النفس اور غیر اختیاری وساوس(۳) سے مؤاخذہ کو رفع فرمادیا چنانچہ حق تعالیٰ نے ہم کو یہ دعا خود تعلیم فرمائی ہے ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَاتُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾(۴) حق تعالیٰ کا یہ دعا خود تعلیم فرمانا اس کی دلیل ہے کہ وہ ہمارے ساتھ یہی برتاؤ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جب حاکم، عرضی(۴) کا مضمون خود بتلادے تو پھر اس کے منظور ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں رہتا مگر حدیث میں اس کی تصریح بھی وارد ہے کہ یہ سب دعائیں قبول ہوچکیں پھر ان میں یہ جملہ ﴿وَ لَاتُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ تشریعاً بھی ہے اور تکویناً بھی یعنی جس طرح ہمارے اوپر طاقت سے زیادہ احکام مشروع نہیں ہوئے

(۱) ہماری بہت سی مصلحتیں پوشیدہ ہیں (۲) بھول چوک کو معاف کر دیا (۳) دل میں آنے والے وسوسے اور باتوں پر مواخذہ نہیں کیا (۴) یا اللہ اگر ہم بھول کر غلطی سے کوئی کام کر بیٹھیں تو اس پر مواخذہ نہ فرمانا ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا ہم سے پہلوں پر ڈالا گیا ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا (۵) درخواست۔

اسی طرح حق تعالیٰ اس امت پر مجموعی طور پر ایسی مصیبت تکویناً بھی نازل نہیں فرماتے جو اس کی طاقت سے باہر ہو، گو بعض غم اور تکالیف شدید معلوم ہوتے ہیں مگر طاقت سے زیادہ نہیں ہوتے کیونکہ شدت وضعف، امر اضافی ہے جس غم یا تکلیف کو ہم شدید سمجھتے ہیں وہ اُس سے خفیف(۱) کے مقابلہ میں شدید ہوتا ہے مگر فی نفسہ وہ ایسا شدید نہیں ہوتا جس کا ہم تحمل نہ کرسکیں حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی امت کے لئے حق تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ ان پر قحط عام یا طوفان عام نازل نہ ہو اور نہ ایسا کوئی دشمن مسلط ہو جو ان کا استیصال(۲) کردے اور یہ دعا قبول ہوئی تو یہ خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس امت پر تکویناً بھی ایسے مصائب نہیں آئے جو ان کی طاقت سے زیادہ ہوں۔

تسلی کے اسباب

پھر حزن وغم کے ساتھ ایسے امور بھی تکویناً پیدا کئے گئے ہیں جن سے تسلی ہوتی رہتی ہے مثلاً بیماری میں دوا بھی ہے تیماردار بھی ہیں طبیب بھی ہے ؎

درد از یار است ودرماں نیز ہم　　دل فدائے او شد و جاں نیز ہم(۳)

پھر ہر مصیبت کے وقت ہم کو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے کی تعلیم کی گئی ہے اس سے حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اجر وثواب ملتا ہے بلکہ حدیث میں ہے کہ اگر کسی گذشتہ مصیبت کو یاد کرکے انا للہ کہہ لی تو اس وقت بھی وہی ثواب ملتا ہے جو وقت مصیبت کے کہنے سے ملتا ہے سبحان اللہ کتنی بڑی دولت ہے اور مصیبت کے وقت انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کی تعلیم جس طرح ثواب حاصل کرنے

(۱) جس غم کو ہم شدید کہتے ہیں وہ اپنے سے ہلکے کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے اپنی ذات میں شدید نہیں ہوتا
(۲) ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے (۳) درد بھی محبوب کی طرف سے ہے اس کی دوا بھی اسی کی طرف سے ہے اس پر میرے دل وجان فدا ہیں۔

کے لئے کی گئی ہے اسی طرح رفع حزن(۱) کے لئے بھی کی گئی ہے واقعی اس کے مضمون کے استحضار (۲) کو رفع حزن میں بڑا دخل ہے مگر افسوس یہ ہے کہ ہم لوگوں نے محض الفاظ یاد کر لئے ہیں اس کے معنی پر غور نہیں کرتے اس لئے حزن رفع نہیں ہوتا مگر یہ ہمارا قصور ہے کہ ہم نسخہ کو غلط طریقہ سے استعمال کرتے ہیں صحیح طریقہ سے استعمال نہیں کرتے حق تعالیٰ نے تو نسخہ بتلا دیا مگر جب اس کو صحیح طریق سے استعمال نہ کیا تو اثر نہ ہونے میں طبیب کا کیا قصور؟ نسخہ کی کیا خطا؟ بھلا اگر کسی کو زکام ہو رہا ہو اور طبیب نے اس کو جوشاندہ کا نسخہ لکھ کر دیا ہو مگر وہ بجائے جوش دینے کے اس کو سفوف (۳) بنا کر پھانک لے یا مشموم بنا کر سونگھ (۴) لے تو زکام کیسے رفع ہوگا یہی گت ہم نے اس نسخہ کی بنائی ہے تو پھر نفع کیسے ہو۔

اعمال میں ہمارا طرز عمل

اور ہمارا یہ برتاؤ کچھ اسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہم نے تمام اعمال میں یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ ہم وضو کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں حج کرتے ہیں اور ان سب سے بنص صریح گناہ معاف ہوتے ہیں دل میں نور پیدا ہوتا ہے مگر کیا وجہ ہے کہ ہمارے قلب میں نور پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ حالت ہے ﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ﴾ (۵) کہ باوجود اِن سب کاموں کے بھی دل میں ظلمتیں بھری ہوئی ہیں سو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم ان اعمال کو طریقہ سے ادا نہیں کرتے اگر طریقہ سے ادا کرتے تو قلب کی یہ حالت ہوتی ﴿نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (۶) اور اگر کبھی دل میں نور پیدا بھی ہوتا ہے تو ہم اُس نور کو فضول اور لایعنی باتوں میں مشغول ہو کر (۷) ضائع کر دیتے ہیں

(۲) غم دور کرنے کے لئے بھی (۲) آیت کے مضمون کو سوچنے سے غم دور ہو جائے گا (۳) پوڈر بنا کر کھالے (۴) بجائے کھانے پینے کے اس کو سونگھنا شروع کر دے (۵) اندھیروں سے بڑھ کر اندھیروں میں گھرے ہوئے ہیں (۶) نور سے بڑھ کر نور حاصل ہوگا اللہ جس کو چاہے اپنا نور عطا فرمائے (۷) بیکار کاموں میں مشغول ہو کر۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک مقام پر اس کی عجیب مثال دی ہے فرماتے ہیں کہ ہماری قلب میں جو اعمال سے نور پیدا ہوتا ہے اُس کی ایسی حالت ہے جیسے ایک چور کسی کے گھر میں چوری کرنے گیا تھا گھر والے کو جو آہٹ چور کی معلوم ہوئی تو اُس نے چراغ جلانا چاہا پہلے زمانہ میں دیا سلائی تو تھی نہیں چقماق (۱) سے آگ جھاڑ کر چراغ جلایا کرتے تھے گھر والے نے چقماق پر لوہا مارا اُس سے ایک شعلہ جھڑا جس کو اُس نے کسی کپڑے یا لکڑی پر لینا چاہا چور نے جو یہ دیکھا تو وہ چپکے سے اس کے پاس جا بیٹھا جہاں کوئی شعلہ کپڑے پر گرتا وہ اپنا انگوٹھا اُس جگہ رکھ دیتا اس لئے آگ روشن نہ ہوسکی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تمہارے اعمال سے نور تو پیدا ہوتا ہے مگر وہ دزد پنہاں شیطان (۲) تمہارے پاس بیٹھا ہوا ہے جہاں کچھ نور پیدا ہوا وہ فوراً اُسپر اپنا انگوٹھا رکھ دیتا ہے اس لئے وہ بڑھنے نہیں پاتا تو پہلے اس چور کو دل میں سے نکالو پھر نور اعمال باقی رہے گا ورنہ جب تک یہ چور دل میں گھسا بیٹھا ہے اس وقت تک نور اعمال کا اثر ظاہر نہیں ہوسکتا۔

ہماری نماز کا حال

اب لوگ قرآن پر تو اعتراض کرتے ہیں کہ نماز کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ﴾ (۳) مگر ہم نماز پڑھتے ہیں اور یہ بات پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نماز کس شان کی پڑھتے ہیں۔ اے صاحب! آپ کی نماز کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ مجھے آدمی کی ضرورت ہے اور آپ اُس کے سامنے ایک اپاہج مضغۂ گوشت (۴) کو لاکر پیش

(۱) آتشی پتھر (۲) تمہارا چھپا دشمن شیطان (۳) نماز برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے (۴) ہاتھ پیر ٹوٹا ہوا صرف ایک گوشت کا لوتھڑا لاکر دیدیں۔

کردیں اور جب وہ کہے کہ میں اس اپاہج کو لیکر کیا کروں یہ بھی کوئی آدمی ہے تو آپ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ صاحب تم نے آدمی کو کہا تھا میں نے آدمی لادیا دیکھ لو یہ حیوان ناطق ہے یا نہیں (۱) تو بیشک وہ معقولی آدمی تو ہے مگر معقول آدمی نہیں (۲) وہ اس قابل نہیں ہے جس سے آدمیوں کے کام لئے جائیں بس یہی حال ہماری نماز کا ہے کہ نام کو تو وہ نماز ہے مگر اس کی شان یہ ہے کہ نہ اس کے ہاتھ ہیں نہ پیر نہ سر ہے نہ آنکھیں اگر ہاتھ ہیں تو سر کٹا ہوا ہے سر ہے تو آنکھیں اندھی ہیں اہلِ حقیقت تو ایسی نماز کو کالعدم (۳) سمجھتے ہیں جیسے اپاہج مضغۂ گوشت کو کالعدم سمجھا گیا تھا مگر فقہاء نے یہ دیکھ کر کہ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے اگر نہ ہونے کا حکم لگایا جاویگا لوگ اسے بھی چھوڑ بیٹھیں گے اُس پر صحت کا حکم لگادیا ہے مگر یہ حکم صحت ویسا ہی ہے جیسے آپ نے اُس اپاہج کو حیوان ناطق ہونے کی وجہ سے آدمی کہا تھا بس ایسے ہی آپ کی نماز اصطلاحی نماز تو ہے مگر حقیقی نماز نہیں ہے لیکن اُس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دیں۔

رحمت خداوندی

نہیں صاحب بالکل بیکار یہ بھی نہیں نہ ہونے سے اس کا ہونا پھر بہتر ہے کیونکہ بعض دفعہ اگر نظرِ عنایت ہوجائے تو حق تعالیٰ کے یہاں صورت بھی قبول ہوجاتی ہے۔ مولانا نے ایسی نماز کے قبول ہونے کی عجیب مثال دی ہے فرماتے ہیں ؎

ایں قبولِ ذکرِ تو از رحمت است چوں نمازِ مستحاضہ رخصت است (۴)

یعنی جس طرح عورت مستحاضہ (۵) کی نماز شرعاً صحیح مانی گئی ہے حالانکہ

(۱) اس پر آدمی کا اطلاق ہوتا ہے کہ نہیں (۲) بیشک لغوی اعتبار سے تو اسکو آدمی ہی کہیں گے لیکن کام کا آدمی نہیں ہے (۳) معدوم شمار کرتے ہیں (۴) میرے اس ناقص ذکر کو قبول کرلینا آپ کی رحمت ہے جیسے مستحاضہ عورت کی نماز قبول کرلیتے ہیں (۵) ایسی عورت جس کو بسبب بیماری خون جاری ہو، خون آنے کی بنا پر اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا (جس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے جدید وضوء کرلے اور نماز پڑھ لے خون استحاضہ کی بنا پر اس کا وضوء نہیں ٹوٹتا)

نماز کے اندر بھی اُس کا خون جاری ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہ ناپاک ہے مگر محض رحمت کی بنا پر اُس کو قبول کرلیا جاتا ہے یہی حالت ہماری تمام نمازوں کی ہے کہ گو حقیقت کے لحاظ سے وہ کالعدم ہیں مگر حق تعالیٰ کی نظر عنایت سے کبھی یہ بھی قبول ہوجاتی ہیں۔ نیز بعض دفعہ شدہ شدہ(۱) یہ نماز حقیقی نماز کی طرف وسیلہ ہوجاتی ہے۔ جیسے بعض طلبہ بدشوق ہوتے ہیں نہ مطالعہ کرکے پڑھتے ہیں نہ پڑھ کر دیکھتے ہیں تو ان کا اس وقت پڑھنا نہ پڑھنے کے مثل ہے مگر شفیق اُستاد اس کو مکتب سے نہیں نکالتا اور یہ کہتا ہے کہ گو یہ اس وقت شوقین طالبعلم کے برابر نہیں مگر شدہ شدہ شوق کی امید ہے چنانچہ اکثر ایسا ہو بھی جاتا ہے کہ جن طالب علموں کو ابتدا میں شوق نہ تھا جب وہ عرصہ تک کام میں لگے رہے تو ایک وقت میں خود بخود ان کو شوق پیدا ہوگیا ان ہی اسباب پر نظر کرکے حضرات فقہاء نے ایسی نمازوں پر صحت کا حکم لگادیا اور واقعی فقہاء کا وجود بھی امت کے لئے رحمت ہے پس آپ اپنی ناقص نماز کو بیکار تو نہ سمجھیں مگر کامل بھی نہ سمجھیں اب اس اعتراض کا جواب ہوگیا کہ نماز کی تاثیر تو حق تعالیٰ نے یہ بتلائی ہے کہ ﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ اور ہم اپنے اندر یہ اثر نہیں پاتے تو بات یہ ہے کہ یہ شان کامل نماز کی ہے اور آپ کی نماز کامل نہیں ہے اس لئے اُس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا ہم نماز کو بری طرح ادا کرتے ہیں جیسے کوئی جوشاندہ کو سفوف بنا کر پھانک لے تو بتلایئے نفع کیونکر ہو۔

ہماری نماز کا فائدہ

دوسرے یہ کہ جیسی ہماری نماز ہے ویسی ہی اس کی نہی عن الفحشاء بھی ہے اگر کامل نماز ہوتی تو وہ ہم کو تمام فحشاء سے روک دیتی اب ناقص ہے تو کسی قدر فحشاء

(۱) رفتہ رفتہ یہ نماز حقیقی نماز کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

سے روک دیتی ہے اور اس کا انکار نہیں ہوسکتا تجربہ ہے کہ نمازی آدمی عموماً بے نمازیوں سے کم گناہ کرتے ہیں اور ادنیٰ نفع تو یہی ہے کہ نمازی آدمی کے پاس کوئی کافر بہکانے کے واسطے نہیں آتا کفار جس کو نمازی دیکھتے ہیں اس کو دین کا پابند اور پختہ سمجھ کر کچھ نہیں کہتے اُس سے وہ ناامید ہوجاتے ہیں کہ یہ ہمارے بہکانے میں نہیں آسکتا۔

غم کا علاج

ایسے ہی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ تمام غموم واحزان کا علاج ہے اگر اُس کو شرائط سے استعمال کیا جائے اب اُس کے شرائط سنئے مگر تمام شرائط کو تو کون ادا کرے گا اور میں ہی کیا ادا کروں گا مگر سب سے ادنی شرط تو یہ ہے کہ اس کو تفکر وفہم معنی سے(۱) ادا کیا جائے محض طوطے کی طرح بے سمجھے بوجھے نہ کہا جاوے اب سنئے اس کے معنی کیا ہیں اس میں پہلا جملہ تو یہ ہے اِنَّا لِلّٰہِ اس کے معنی یہ ہیں کہ بیشک ہم سب خدا ہی کی ملک ہیں وہ ہمارے اور تمام چیزوں کے مالک ہیں ہم کسی چیز کے مالک نہیں حتی کہ اپنی جان کے بھی مالک نہیں یہ جان بھی خدا ہی کی ملک ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی جان میں بھی ہم کو ہر طرح کا تصرف جائز نہیں خودکشی حرام ہے مضر(۲) چیزیں کھانا جائز نہیں ہے، اپنے آپ کو ذلیل کرنا رسوا کرنا ممنوع ہے آخر کیوں اس لئے کہ تم اپنی جان کے مالک نہیں ہو بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے بدون اس کے اذن(۳) کے تم کوئی تصرف اُس میں نہیں کرسکتے اگر کروگے تو مواخذہ(۴) ہوگا جب تم اپنی جان کے بھی مالک نہیں تو مال واولاد واعزہ واقرباء

(۱)اس آیت کو اس کے معنی میں غور کرتے ہوئے پڑھا جائے (۲) نقصان دہ(۳)اس کی اجازت کے بغیر(۴)سزا ہوگی۔

کے تو کیونکر مالک ہوسکتے ہو۔ مال جائیداد گھر بار جو کچھ ہے برائے نام تمہاری ملک ہے اور یہ برائے نام ملک بھی اس لئے مقرر کی گئی ہے تاکہ نظام عالم میں اختلال نہ ہو(۱) ورنہ کسی کے پاس کوئی چیز بھی نہ رہا کرتی اگر شریعت بندوں کو مالک نہ کہتی تو خدا کی چیز سمجھ کر ہر شخص اس کو چھیننا چاہتا اس لئے برائے نام تم کو مالک بنادیا گیا ہے مگر حقیقت میں ہر چیز خدا کی ملک ہے ۔

درحقیقت مالکِ ہر شئے خداست ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست(۲)

ایک مقدمہ تو یہ ہوا اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ یہ ملاؤ کہ مالک کو اپنی مملوکات میں ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے وہ جیسا چاہے تصرف کرے دوسرے کو کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ اس مضمون کے استحضار کے(۳) بعد کسی مصیبت اور کلفت سے بھی پریشانی نہیں ہوسکتی کیونکہ سارے غم کی جڑ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہیں، کہ یہ مال ہمارا ہے جائداد ہماری ہے بیوی بھی ہماری ہے اولاد بھی ہماری ہے، پھر اُس میں طرح طرح کی تجویزیں کرتے ہیں کہ یہ مال بڑھنا چاہیئے ہمارے ہی پاس رہنا چاہیئے ضائع نہ ہونا چاہیئے باغ میں ہمیشہ پھل آنے چاہئیں اولاد کے متعلق تجویزیں کرتے ہیں کہ یہ پھلیں پھولیں بڑے ہوں کمائیں کھائیں ہماری خدمت کریں اسی طرح تمام چیزوں کے متعلق ہم اپنی ایک تجویز ذہن میں قائم کرلیتے ہیں، کہ یوں ہونا چاہیئے اس کے خلاف نہ ہونا چاہیئے پھر جب اس کے خلاف ہوتا ہے تو رنج وغم ہوتا ہے کہ ہائے میں نے تو یہ امید کررکھی تھی مجھے تو یہ توقع تھی یہ کیا ہوگیا پس اِنَّا لِلّٰہ میں ان تجاویز کی جڑ کاٹی گئی ہے کہ تم کو کسی چیز کے متعلق کوئی تجویز قائم کرنے کا حق نہیں کیونکہ تم اور یہ سب چیزیں خدا کی ملک ہو۔ تجویز کا حق

(۱) دنیا کے نظام میں خلل نہ پڑے (۲) اصل میں ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے میرے پاس تو یہ چند دن کے لئے بطور امانت ہے (۳) اس مضمون کو سوچنے کے بعد کسی مصیبت سے پریشانی نہیں ہوتی۔

مالک کو ہوتا ہے ۔ غلام کو کیا حق ہے کہ وہ مالک کی چیزوں میں تجویزیں لگاتا پھرے۔ بھلا انصاف کرو کہ اگر تم کسی کے پاس ہزار روپے امانت رکھو اور وہ شخص ان میں یہ تجویز کرے کہ یہ ہزار روپے ہمیشہ میرے ہی پاس رہیں یا ہزار کے دو ہزار ہونے چاہئیں تو بھلا وہ پاگل ہی نہیں۔ تو حق تعالیٰ نے بتلادیا کہ تم اپنے کو کسی چیز کا مالک کیوں سمجھتے ہو جو یہ تجویزیں اپنے ذہن میں پاس کرتے ہو کہ یوں ہو یوں نہ ہو تم کو اس کا کیا حق ہے کہ میری مملوک چیزوں میں رائے قائم کرو جب اس جملہ میں تجویز وتوقع وامل(۱) کی جڑ کاٹ دی گئی تو اس کے استحضار سے تمام غموم واحزان کی جڑ کٹ جائیگی کیونکہ ہر حزن وغم کا منشا بھی توقع وامل ہے(۲) جو ہم پہلے سے کسی چیز کے متعلق قائم کرلیتے ہیں جس کے خلاف ہونے سے رنج ہوتا ہے اگر آپ کسی چیز کے متعلق کوئی بھی امید نہ قائم کریں تو پھر جو کچھ بھی ہوگا آپ اس کے لئے پہلے سے آمادہ ہوں گے۔ دیکھئے آپ کسی سے ملنے جائیں اور امید یہ ہو کہ وہ میری تعظیم کرے گا اور اس نے تعظیم نہ کی تو خلاف توقع سے رنج ہوگا اور اگر آپ کو وہاں جاتے ہوئے تعظیم کی توقع نہ ہو بلکہ اُس سے ایذاء کا اندیشہ ہو تو اس کی ذرا سی خاطر سے بھی خوشی ہوگی اور ایذاء دے گا تو رنج نہ ہوگا کیونکہ آپ پہلے سے اس کے لئے آمادہ تھے، تو رنج کی جڑ یہی توقع وامل اور تجویز ہے اور جب حق تعالیٰ مالک ہیں اور ہم غلام ہیں اور جو کچھ ہمارے پاس ہے سب حق تعالیٰ کا ہے تو ہم کو کسی چیز کی بابت اپنی کوئی تجویز اور توقع قائم نہ کرنی چاہیئے بلکہ ہر وقت سمجھتے رہیں کہ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی امانت ہمارے پاس ہیں نہ معلوم ان کی بابت خدا تعالیٰ کی مشیت اور کیا تجویز ہے(۳) وہ جو چاہیں کریں۔

(۱) اپنی پسند اور امید کی جڑ کاٹ دی (۲) امید (۳) نہ معلوم اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کیا چاہتے ہیں۔

غلام کی شان

غلام کی تو وہ شان ہونی چاہیئے جیسے کسی شخص نے ایک غلام خریدا تھا اُس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے کہا اب تک تو جو کچھ بھی نام تھا مگر آج سے وہی نام ہے جس سے آپ پکاریں، پوچھا تم کیا کھایا کرتے ہو کہا اب تک تو جو کچھ بھی کھاتا تھا مگر آج سے وہ کھاؤں گا جو آپ کھلائیں گے وہ پہنوں گا جو آپ پہنائیں گے۔ واقعی سچ کہا غلام کو کیا حق ہے تجویز کا بس اُس کی تو یہ شان ہونی چاہیئے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۱)

محض مالکیت ہی کا مقتضا یہ ہے کہ مالک کا کوئی تصرف اُس کی مملوک میں ناگوار نہیں ہوا کرتا۔

اللہ تعالیٰ حکیم ہیں پھر یہاں تو مالکیت کے ساتھ ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں جن کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور حکیم کے ہاتھ سے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناگوار نہیں ہوا کرتی کیونکہ یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اس میں کچھ حکمت اور مصلحت ہوگی چنانچہ بعض دفعہ ڈاکٹر آپریشن کر کے جسم میں سے ایک پٹھا نکال دیتا ہے کیونکہ وہ الو کا پٹھا تھا اور اُس سے کچھ ناگواری نہیں ہوتی گو تکلیف ہوتی ہے مگر اُس کی حکمت پر اعتماد ہوتا ہے اس لئے سب کچھ گوارا کر لیا جاتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

طفل می لرزد زنیش احتجام مادرِ مشفق ازاں غم شاد کام (۲)

افسوس کیا ہم کو خدا تعالیٰ پر اتنا بھی اعتماد نہیں جتنا ایک ڈاکٹر پر ہوتا ہے اگر ہے اور یقیناً اس سے زیادہ ہونا چاہیئے جیسا کہ اعتقاد حکمت کا مقتضا ہے تو

(۱) زندگی دیں تو آپ کی عطاء ہے اگر موت دیں جان آپ پر قربان میرا دل تیری محبت میں گرفتار ہے جو تیرا دل چاہے کر (۲) بچہ جراح کے زخم لگانے سے کانپ رہا ہے شفیق ماں اس غم پر خوش ہے۔

پھر اُدھر سے اگر کوئی ناگوار معاملہ پیش آتا ہے تو اُس سے رنج وغم کیوں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحیم ہیں

تیسرے وہ محض حکیم ہی نہیں بلکہ رحیم بھی ہیں بے رحم نہیں ہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں تمہارے واسطے بہتر ہی کرتے ہیں اور شفقت ومہربانی کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر وہ محبوب بھی ہیں۔ اور محبوب اگر محبّ کے مال کا مالک بھی نہ ہوتب بھی محبوبیت کی وجہ سے اُس کا کوئی تصرف عاشق کو ناگوار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی جان و مال سب کو محبوب کی ملک سمجھا کرتا ہے محبوب کو محبّ سے امتحان لینے کا بھی حق ہوتا ہے، پھر اگر حق تعالیٰ ہمارا امتحان لیں تو اُس سے ناگواری کیوں ہوتی ہے آپ خدا تعالیٰ کے عاشق ہیں اور وہ محبوب ہیں محبوب کے ساتھ تو یہ معاملہ ہونا چاہیئے ؎

درد از یار است ودرماں نیز ہم دل فدائے او شدو جاں نیز ہم (۱)

محبوب کی ایذاء بھی لذیذ ہوتی ہے اُس سے گھبرایا نہیں کرتے۔

ولایتی عاشق

مگر بعضے ایسے عاشق بھی ہوتے ہیں جیسے ہمارے ایک دوست تھے وہ ہر خط میں ایذاء رساں باتیں لکھا کرتے تھے میں نے ان کو دھمکایا تو آپ نے معذرت کا خط لکھا جس میں یہ بھی تھا ؎

من عاشقِ معشوق مزاجم چہ کنم (۲)

وہ عاشق ہونے کے ساتھ معشوق بھی بننا چاہتے تھے میں نے جواب میں لکھا ؎

میں قاتلِ معشوق مزاجم چہ کنم (۳)

---

(۱) درد محبوب کی طرف سے ہے دوا بھی اسی کے پاس ہے میرے تو دل وجان اس پر فدا ہیں (۲) میں معشوق کا عاشق ہوں اپنے مزاج سے مجبور ہوں (۳) میں معشوق کا قاتل ہوں اپنے مزاج سے مجبور ہوں۔

اس کے بعد اُن کا دماغ درست ہوگیا اُن کا عشق ولایتی عشق تھا ہمارے اُستاد مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک ولایتی طالب علم پڑھتے تھے ایک دفعہ مولانا سے کسی بات پر ناخوش ہوگئے تو آپ کہتے ہیں کہ تم کافر ہو مولانا نے فرمایا کہ میں اگر کافر ہوں تو پھر مجھ سے پڑھتے کیوں ہو کہا کافر سے فن سیکھنا جائز ہے پھر کچھ دیر کے بعد غصہ ٹھنڈا ہوا تو مولانا سے معافی چاہنے آیا کہنے لگا مولانا ہماری باتوں کا برا نہ ماننا ہم تمہارا عاشق ہے تم معشوق ہو معشوق کو عاشق کہہ ہی لیتا ہے۔ اللہ بچائے ایسے عشق سے تو بعضے ایسے عاشق بھی ہوتے ہیں مگر ان کا جواب وہی ہے جو میں نے ان دوست کو دیا تھا ''من قاتل معشوق مزاجم چہ کنم'' ایسے عاشقوں کی مرمت کی جاتی ہے بھلا عشق کے دعوے اور محبوب کی شان میں گستاخی کہیں یہ دونوں جمع ہوسکتے ہیں۔

عاشق کی شان

عاشق کی تو یہ شان ہوتی ہے ؎

باوجودت زمن آواز نیاید کہ منم (۱)

محبوب کے سامنے اپنی ہستی بھی ہیچ معلوم ہوا کرتی ہے، یہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ میں موجود ہوں اپنے وجود سے نظر اٹھ جاتی ہے محبوب کی طرف سے جو برتاؤ بھی ہو اس پر دل سے راضی ہوا کرتا ہے بلکہ اگر وہ یہ کہے کہ تجھ کو میری ایذاء ناگوار ہو تو لا تیرے رقیب کے ساتھ یہی معاملہ چھیڑ چھاڑ کا کرنے لگوں تو وہ یہ کہتا ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سرِ دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی (۲)

(۱) میرے جسم سے یہ آواز بھی نہیں آسکتی کہ میں کچھ ہوں (۲) میرے دشمن کے مقدر میں یہ نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہو میرا سر حاضر ہے تو اپنی تلوار کو اس پر آزمالے۔

پھر حیرت ہے کہ ہم لوگ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر کے پھر اپنے وجود کو اپنا وجود سمجھتے ہیں مال کو اپنا مال سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ ہماری جان و مال میں کوئی تصرف کریں تو اُس سے ناگواری ظاہر کرتے ہیں حضرت لا الٰہ الا اللہ کہنا آسان نہیں توحید کا دعویٰ عشق کا دعویٰ ہے چنانچہ ارشاد ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ اور شدتِ محبت بھی عشق ہے اور جب عشق کا دعویٰ کیا تو اُس سے اس کا اقرار کرلیا کہ ہمارا کچھ نہیں ہے غرض ایمان لاتے ہی آپ نے سب کچھ حق تعالیٰ کے سپرد کردیا دوسری جگہ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ حق تعالیٰ نے جنت کے بدلے آپ کا جان و مال سب خرید لیا ہے اور اشتراء کا لفظ بھی آپ کا جی خوش کرنے کو ہے کیونکہ آپ ان چیزوں کو اپنا سمجھتے تھے اس لئے فرمادیا کہ ہاں بھائی یہ چیزیں تمہاری ہی ہیں مگر ہم جنت کے عوض میں ان کو تم سے خریدتے ہیں، ورنہ حقیقت میں تو سب کچھ اُن ہی کا ہے۔ اب معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمان کے پاس جو کچھ ہے اس کا نہیں ہے بلکہ اسلام لاتے ہی وہ سب کچھ خدا کو دے چکا ہے پھر وہ اگر اس میں کچھ تصرف فرمائیں تو ہم کو ناگوار کیوں ہوتا ہے ان کی چیز تھی انہوں نے جو چاہا تصرف کیا اگر تم موحد ہو تو اس پر راضی رہو۔

توحید کا مقتضی

توحید کے معنی فقط یہ نہیں ہیں کہ زبان سے خدا کو واحد کہہ دیا بلکہ توحید یہ ہے ؎

دلآرامے کہ داری دل دروبند دگر چشم از ہمہ عالم فروبند(۱)

اگر آپ کہیں کہ ہم اسلام کو قبول کرتے ہیں عشق کو ہم نے کہاں قبول کیا تو میں کہونگا کہ لا الٰہ الا اللہ کہنا عشق کو تو مستلزم (۲) ہے جیسے نکاح کرنا تمام حوائج ضروریہ

(۱) ساری دنیا سے صرف نظر کر کے صرف محبوب کی رضا پر نظر ہونی چاہیئے (۲) لا الٰہ الا اللہ سے اقرار کے ساتھ عاشق ہونا لازم آتا ہے۔

کی ذمہ داری کو مستلزم ہے اگر کوئی شخص نکاح کرے اور جب بیوی اُس سے کپڑا کھانا مانگے تو وہ انکار کرے اور یہ کہے میں نے تو نکاح کو قبول کیا تھا ان جھگڑوں کو تو قبول نہ کیا تھا بتلایئے آپ اس وقت کیا کہیں گے، ہر شخص اس کو یہی کہے گا کہ تمہارا نکاح کے وقت قَبِلْتُ کہنا(۱) ان سب باتوں کو قبول کرنا تھا وہ قَبِلْت متن تھا جس کی شرح یہ ہے کہ میں نے اس کے لئے کپڑا دینا بھی قبول کیا کھانا دینا بھی قبول کیا مکان دینا بھی قبول کیا اگر لڑکی امیر زادی ہے تو اس کے لئے خادم رکھنا بھی قبول کیا۔ اور مہر تو اُسی وقت قبول کیا جاتا ہے گو دیتا کوئی نہیں الا ماشاء اللہ اسی طرح لا الٰہ الا اللہ متن ہے جس کی شرح یہ ہے کہ میں نے اپنی جان و مال سب کچھ خدا تعالیٰ کے حوالہ کردی اب میرا کچھ نہیں سب انہی کا ہے میں کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہ کروں گا میں اُن کا مُحِبّ ہوں وہ محبوب ہیں یہی معنی ہیں اس ارشاد کے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه پس لا الٰہ الا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ کوئی مطلوب و مقصود ہے نہ کوئی موجود ہے۔

وحدت الوجود کی حقیقت

یعنی حقیقی موجود کوئی بھی نہیں خدا تعالیٰ کی ہستی کے سامنے کسی کی ہستی قابل اعتبار نہیں کسی کا وجود مستقل نہیں وجود مستقل حق تعالیٰ ہی کا ہے اسی کو شیخ ابن عربی یعنی شیخ اکبر فرماتے ہیں ؎

لا آدم فی الکون ولا ابلیس لا ملك سلیمان ولا بلقیس (۲)

اس میں تو مطلقاً وجود کا انکار مفہوم ہوتا ہے مگر اس کے بعد حقیقت کو ظاہر کردیا ؎

فالکل عبارة وانت المعنی یا من هو للقلوب مقناطیس (۳)

(۱) میں نے قبول کیا (۲) ممکنات میں نہ بالذات آدم ہے نہ شیطان نہ بادشاہ سلیمان ہے نہ ملکہ بلقیس (۳) یعنی تمام مخلوقات کا وجود آپ کے تابع ہے یعنی آپ کے دینے سے ہی وجود ملا ہے۔

یعنی تمام مخلوقات کا وجود تابع ہے اصلی وجود آپ ہی کا ہے اس میں تصریح کردی کہ ممکنات کے لئے بھی فی الجملہ وجود ہے مگر حقیق اصلی نہیں بلکہ تابع ہے۔ وحدۃ الوجود کی یہی حقیقت ہے اور یہ بالکل شریعت کے مطابق ہے اور اگر کسی نے مطلقاً وجود ممکنات کا انکار کیا ہے اُس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ماسوائے حق کے کوئی وجود مستقل نہیں یہ مطلب نہیں کہ بالکل وجود نہیں۔ مگر چونکہ ممکنات کا وجود حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا اس بناء پر اُس کی بالکل نفی کردی جاتی ہے جیسے پورے قرآن کے حافظ کے سامنے قل ھواللہ کے حافظ کو کوئی بھی حافظ نہیں کہتا حالانکہ ایک سورت کا تو وہ بھی حافظ ہے مگر اُس کو ناظرہ خواں ہی کہا جاتا ہے کیونکہ حافظ قرآن کے سامنے اُس کا حفظ لاشئ(۱) محض ہے وہ حافظ کہلانے کا مستحق نہیں اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ کا وجود مستقل ودائم واقویٰ ہے اور ممکنات کا وجود غیر مستقل سراپا احتیاج وضعیف ہے اس لئے وہ وجود حق کے سامنے وجود کہلانے کا بھی مستحق نہیں، اس وجہ سے بعض نے مطلقاً وجود ممکنات کا انکار کردیا مگر مراد اُن کی وہی ہے جو شیخ اکبر کے کلام میں مذکور ہے۔ جس کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب بیان فرمایا ہے ؎

ہمہ ہرچہ ہستند ازاں کمتراند کہ باہستیش نام ہستی برند

ممکنات کو ہست بھی کہا پھر یہ بھی فرمایا کہ خدا کی ہستی کے سامنے یہ اس سے بھی کمتر ہیں کہ ہستی کا نام لے سکیں (جامع) بس اب تو ہماری یہ حالت ہوگئی ؎

من چو کلکم درمیانِ اصبعین نیستم در صفِ طاعت بین بین

جس طرح ہاتھ کی حرکت سے قلم چلتا ہے اسی طرح ہم بھی دستِ قدرت کی وجہ سے چل رہے ہیں اگر وہاں سے افاضۂ وجود اور افاضۂ قدرت (۲) نہ ہو تو ہم کچھ نہیں کرسکتے ہم اپنے حدوث وبقاء (۳) دونوں میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

(۱) نہ ہونے کے برابر (۲) اگر اللہ تعالیٰ وجود وقدرت نہ عطا کریں تو ہم کچھ بھی نہیں (۳) اپنے مرنے جینے میں اللہ کے محتاج ہیں۔

غلط فہمی کا ازالہ

یہ مت سمجھو کہ حدوث کے بعد بقاء میں احتیاج نہیں رہی بلکہ ہر وقت تم اُس کے محتاج ہو۔ آپ مشینوں کو دیکھ کر دھوکہ میں آئے ہوں گے کہ گھڑی کو کوک (۱) بھرنے کی تو ضرورت ہوتی ہے اور جب ایک دفعہ کوک بھر دی گئی تو اس کے بعد اپنی میعاد تک وہ خود بخود چلتی رہتی ہے اب اُس کو چلانے والے کی ضرورت نہیں رہی ہاں کوک (۲) ختم ہونے کے بعد پھر ضرورت ہوگی تو خوب سمجھ لو کہ یہاں یہ تشبیہ خلاف واقع ہے حق تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ آپ کو اُن سے ایک منٹ کے لئے بھی استغناء ہو سکے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلاء ہیں کہ بس جب خدا تعالیٰ نے ہم کو قدرت وقوت عطا کر دی تو اب ایک خاص وقت تک ہم کو ضرورت نہیں رہی جیسے گھڑی کو کوک بھرنے کے بعد کو کنے والے (۳) کی ضرورت نہیں رہتی سو یہ غلط ہے۔

ہمارے وجود کی حقیقت

بلکہ یہاں تشبیہ قریب وہ ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

انت کالریح ونحن کالغبار یختفی الریح وغبراہ جھار (۴)

اور

ما ہمہ شیراں ولے شیرِ علم حملہ شان از باد باشد دمبدم
حملہ شاں پیدا و ناپیدا ست باد آنکہ نا پیدایست ہرگز کم مباد(۵)

یہ تشبیہ کسی قدر حقیقت سے قریب ہے گو من کل الوجوہ یہ تشبیہ

(۱) چابی (۲) چابی ختم ہونے کے بعد پھر چابی دینے کی ضرورت ہوگی (۳) چابی دینے والے (۴) تو ہوا کی طرح ہے اور میں غبار کی طرح ہوں ہوا پوشیدہ ہوتی ہے اور غبار اڑتا ہوا نظر آتا ہے (۵) میں بھی شیر ہی ہوں لیکن جھنڈے پر بنا ہوا شیر جو ہوا کے چلنے کی وجہ سے حملہ آور ہوتا ہے میرا حملہ ہوا کی بنا پر ہوتا ہے جب وہ چلتی ہے تو حملہ آور ہوتا ہے رکتی ہے تو حملہ آور نہیں ہوتا ہے۔

بھی ناقص ہے کیونکہ یہاں احتیاج صرف حرکت میں ہے وجود میں نہیں اور مشبہ میں حقیقت یہ ہے کہ ہمارا وجود ہی سراپا احتیاج ہے(۱) اور حقیق وجود کے سامنے وہ کالعدم (۲) ہے یہی معنی ہیں وحدۃ الوجود کے اور یہ مضمون قرآن سے موید ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَام﴾ یعنی تمام مخلوقات اصل میں فانی ہیں بقاءصرف ذات حق کے لئے ہے۔ اس کے ساتھ ایک مقدمہ عقلیہ اور ملالو ماثبت قدمه امتنع عمده۔ کہ جس چیز کے لئے قدم ثابت ہو وہ معدوم نہیں ہوسکتی اور جس پر عدم طاری ہوگا وہ متعند القدم (۳) ہوگا اور وجود مستقل قدیم ہی ہوسکتا ہے (۴) پس وجود مستقل تو رفت و گذشت (۵) ہوا اب جن لوگوں کو وجود حقیقی کی عظمت منکشف ہوچکی ہے(۶) وہ اس وقت بھی تمام موجودات کو فانی مشاہدہ کرتے ہیں اس کی تائید بھی قرآن سے ہوتی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ یعنی ذات حق کے سوا ہر چیز ہالک ہے۔

كل شیء هالك کی تحقیق

ہالک صیغۂ اسم فاعل ہے جو حال واستقبال دونوں کے لئے آتا ہے تو اس کے دونوں معنی ہوسکتے ہیں ای یهلك فی المستقبل یا هلك بالفعل پس تم اس کو بمعنی مستقبل سمجھتے ہو کہ انجام کار ہر چیز کا فنا ہے اور اہل مشاہدہ بمعنی حال سمجھتے ہیں کہ تمام موجودات اسی وقت ہالک وفانی ہیں (۷) اور نص قرآنی اس کو متحمل ہے پس احتمال کے ہوتے ہوئے تم کو اہلِ مشاہدہ پر انکار کرنے کا کیا حق ہے اگر یہ

(۱) ہمارا تو پورا وجود ہی محتاج ہے (۲) اللہ کے وجود حقیقی کے سامنے ہمارا وجود گویا کہ ہے ہی نہیں (۳) جو چیز معدوم ہوسکتی ہے وہ ہمیشہ سے نہیں ہوگی (۴) حقیقی وجود اس کا ہے جو ہمیشہ سے ہو جو کہ باری تعالیٰ ہے (۵) پس ہمارے وجود کا حال تو معلوم ہوگیا (۶) جن پر حقیقی وجود کی حقیقت کھل چکی ہے وہ اس وقت بھی سب موجود چیزوں کو کالعدم ہی سمجھتے ہیں (۷) ہلاک اور فنا ہونے والی ہیں۔

کہا جائے کہ ہم کو تو ممکنات کا وجود حسًا نظر آرہا ہے(۱) تو ان کو ہالک بالفعل کہنا بداہت(۲) کے خلاف ہے میں کہوں گا کہ ہالک بالفعل سے مراد معدوم نہیں بلکہ کالمعدوم ہے(۳) یعنی ہالک فی مرتبۃ الذات۔

اہل مشاہدہ کے احوال

پس جن کو ان کے وجود کا اضمحلال(۴) نظر آرہا ہے وہ تو ہالک بالفعل(۵) کہنے پر مجبور ہوگا پھر ان میں بعض اہلِ مشاہدہ کو تو اشیاء موجود کا وجود ہی نظر نہیں آتا جیسا دن میں ہم کو ستارے نظر نہیں آتے حالانکہ وہ دن میں بھی موجود ہوتے ہیں مگر آفتاب کے سامنے معدوم معلوم ہوتے ہیں یہی حال ان اہلِ مشاہدہ کا ہے کہ چونکہ وہ تجلیات وجود حقیقی کا مشاہدہ(۶) کررہے ہیں اس لئے ان کو ممکنات کا وجود ہی نظر نہیں آتا اور وہ اشیاء کے انعدام کا حکم لگادیتے ہیں اور ان کے مقابلہ جس شخص کی نظر تجلیات وجود حقیقی تک بالکل بھی نہیں پہنچی وہ چونکہ ظلمات میں ہے وہ اُس شخص کے مشابہ ہے جو رات کو ستارے دیکھتا ہے اور اہلِ مشاہدہ میں جو شخص کامل ہوگا وہ کسی وقت بھی نفس وجود ممکنات کا انکار نہ کرے گا اُس پر تجلی انوار بہت زیادہ ہوتی ہے وہ اُس شخص کے مشابہ ہے جو اتنا تیز نگاہ ہو کہ دن میں بھی تارے دیکھ لیتا ہو بعض لوگ ایسے تیز نگاہ اب بھی ہوتے ہیں پس محقق باوجود تجلیات وجود حقیقی کے مشاہدہ کے وجود اشیاء کو بھی دیکھتا ہے مگر بس ایسا ہی دیکھتا ہے جیسا دن میں ستارے نظر آیا کرتے ہیں کیسے دھندلے مٹے مٹے معلوم ہوتے ہیں خیر یہ فرق تو صاحب مقام اور صاحب حال میں ہے مگر مشترک طور پر ہر صاحب مشاہدہ بزبانِ

(۱) ممکنات کا وجود محسوس ہے (۲) ان معدوم کہنا درست نہیں (۳) مثل معدوم کے ہیں (۴) وجود کی کمزوری معلوم ہورہی ہو (۵) وہ قدرت کو بالفعل معدوم کہے گا (۶) اللہ کی تجلی کا مشاہدہ کررہے ہیں۔

حال یہی کہے گا ؎

ما ہمہ شیراں ولے شیر علم حملہ شاں از باد باشد دمبدم
حملہ شاں پیدا وناپیداست باد ہرچہ ناپید است ہرگز کم مباد(۱)

اہل حال کا مقام تفویض کا ہے

غرض جن کو یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے وہ بالکل بے فکر ہوگئے ہیں اُن کا مذاق تفویض کلی ہوتا ہے وہ اپنے لئے کچھ تجویز نہیں کرتے اُن کی تو یہ حالت ہوتی ہے ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست مے برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست(۲)

وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو کچھ معاملہ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے ان کو کسی بات سے بھی ناگواری نہیں ہوتی اور جس طرح وہ اپنی حرکات کو اُس طرف سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسروں کی حرکات کو بھی سمجھتے ہیں کہ یہ بھی خود کچھ نہیں کرتے بلکہ کسی محرک نے ان کو حرکت دی ہے اس لئے ان کو کسی فعل سے رنج نہیں ہوتا اُن کا مذاق یہ ہوتا ہے ؎

گر گزندت رسد زخلق مرنج کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج
از خداداں خلافِ دشمن و دوست کہ دلِ ہر دودر تصرفِ اوست(۳)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ﴾(۴) تو بتلائیے یہ وحدۃ الوجود قرآن و

(۱) میں بھی شیر ہی ہوں لیکن جھنڈے پر بنا ہوا شیر جو ہوا کے چلنے کی وجہ سے حملہ آور ہوتا ہے میرا حملہ ہوا کی بنا پر ہوتا ہے جب وہ چلتی ہے ہوتا ہے رکتی ہے نہیں ہوتا (۲) میرا تعلق تو اللہ سے جڑا ہوا ہے میرے ساتھ جو بھی معاملہ پیش آتا ہے وہ اسی کی طرف سے ہے (۳) رنج نہ کر کیونکہ مخلوق خود سے نہ راحت پہنچا سکتی ہے نہ تکلیف۔ دوست اور دشمن کی طرف سے جو حالت بھی پیش آئے، اسے خدا کی طرف سے سمجھو کیونکہ دونوں کے دل اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں (۴) اللہ تعالیٰ اگر کسی تکلیف میں مبتلا کرنا چاہئیں تو کوئی اس کو دور نہیں کرسکتا اور اگر وہ خیر کا معاملہ کرنا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روک نہیں سکتا۔

حدیث کے مطابق ہے یا خلاف یقیناً بالکل مطابق ہے، جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ مخلوق کا وجود وجودِ مستقل نہیں غیر مستقل اور سراپا احتیاج ہے اس لئے وجود الٰہی کے سامنے وہ ہیچ در ہیچ اور کالعدم ولاشئ محض ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام میں نفی وجود کی ہو اگر وہ مغلوب الحال نہیں تو اُس کو مبالغہ پر محمول کرنا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ مطلب اُس کا بھی یہی ہے جس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کر رہا ہے تم اس کو کافر کیوں بناتے ہو۔

قائل مسئلہ وحدۃ الوجود کے بارے میں فتویٰ کفر کی تحقق

ہاں اگر کسی بھنگڑ(۱) سنگڑ کو کہو تو ہم بھی اُس کی حمایت نہ کریں گے کیونکہ یہ نالائق وحدۃ الوجود کو نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں یہ تو محض الفاظ یاد کر کے مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں مگر اہلِ مشاہدہ کو تم کیوں کافر کہتے ہو جیسے شیخ اکبر ہیں یا ملا جامی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ان بزرگوں کے کلام میں بھی تو ہمہ اوست (۲) وغیرہ وغیرہ ایسے الفاظ موجود ہیں جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے جن سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر چیز کے وجود کو وجود حق ہی سمجھتے ہیں اور یہی باتیں بھنگڑوں کے کلام میں پائی جاتی ہیں پھر فرق کی کیا وجہ کہ ان کو تو کافر کہنا جائز اور ان کو کافر کہنا ناجائز۔ میں کہوں گا کہ تم ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرو جو حق تعالیٰ کریں گے وہ یہ کہ ﴿ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ کہ جس شخص کے حسنات سیئات پر غالب ہوں وہ خدا کے نزدیک اہلِ فلاح ہے پس تم بھی اس کو صالح سمجھو اب یہ دیکھو کہ ہمہ اوست کہنے والے کی حالت کیا ہے اگر اُس کے حسنات سیئات (۳) پر غالب ہوں تب تو اس کے قول میں تاویل کرو کسی محل حسن پر (۴) محمول کرو اور اگر سیئات

(۱) کسی نشئی وغیرہ کو کہو (۲) سب کچھ اللہ ہی ہے (۳) نیکیاں گناہوں سے بڑھی ہوئی ہیں (۴) اسکو اچھے معنی پر محمول کرو۔

حسنات پر غالب ہیں تو وہ مقبول نہیں اُس کے کلام میں تاویل کی ضرورت نہیں۔ پس شیخ اکبر وملا جامی وغیرہ کے کلام میں تاویل کرلینا ضروری ہے ان کی تکفیر نہ کی جائے گی کیونکہ اُن کے حسنات اس درجہ ہیں کہ کسی کو ان کی بابت لب کشائی (۱) کی جرأت نہیں ہوسکتی، اگر تاویل کرنے کو جی نہیں چاہتا تو غلبۂ حال (۲) ہی پر محمول کرلیجئے۔ کیونکہ بعض دفعہ سالک پر غلبۂ حال ایسا ہوتا ہے جس سے اس کی عقل زائل ہوجاتی ہے اس کو صوفیہ کی اصطلاح میں جذب کہتے ہیں اور اطباء اس کو جنون کہتے ہیں اچھا آپ اطباء ہی کے قول کو مان لیجئے اور اس حالت کو جنون ہی کہئے اور ظاہر ہے کہ مجنون مکلّف نہیں ہوتا (۳) تو یہ حضرات ان کلمات کے صدور کے وقت غیر مکلّف تھے (۴) اب آپ کو تکفیر کا کیا حق ہے بخلاف اہلِ بطالت (۵) کے کہ اُن کے کلام میں تاویل کا کوئی داعی نہیں۔

رد اشکال

اگر کوئی یہ کہے کہ بھلا ان سے غلبۂ حال میں یہ کلمات کفریہ ہی نکلے اگر ایسے ہی مغلوب الحال تھے تو انہوں نے گوہ (۶) کیوں نہ کھالیا پیشاب کیوں نہ پی لیا تو بات یہ ہے کہ مغلوب الحال بعض تو ایسے ہیں جن کی عقل وحواس دونوں زائل ہوجاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے حواس زائل نہیں ہوتے صرف عقل زائل ہوجاتی ہے وہ مثل انعام (۷) کے ہوتے ہیں کہ ان کو کھانے پینے چلنے پھرنے کا احساس ہوتا ہے جانوروں کی طرح ان کو بھی تمیز ہوتی ہے کہ یہ چیز کھانے کی، یہ

(۱) ان کے بارے میں زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہے (۲) تو یوں کہو کہ انہوں نے غلبہ حال میں یہ بات کہدی (۳) دیوانہ شخص احکام کا پابند نہیں ہوتا (۴) جس وقت انہوں نے یہ کلامت کہے اس وقت اپنی جذبی کیفیت کی بنا پر یہ حضرات احکام کے پابند نہیں تھے (۵) اہل باطل (۶) پاخانہ (۷) چوپایوں کی مانند ہوتے ہیں۔

کھانے کی نہیں ،مگر اتنی احساس کے بقاء سے وہ مکلّف نہیں (۱) ہوسکتے کیونکہ یہ احساس تو انعام میں بھی ہے حالانکہ وہ غیر مکلّف ہیں۔

مجذوبوں کی اقسام اور ان کے ساتھ برتاؤ

اسی طرح مجذوبوں کی بھی دونوں قسمیں غیر مکلّف ہیں پس تم ان حضرات کو مغلوب الحال سمجھ کر کافر نہ کہو مگر ایسے مجذوبوں کے پاس نہ جاؤ ان کی صحبت میں نہ بیٹھو نہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرو ان کی صحبت کم فہم کے لئے مضر ہے اور نااہل کو ان کے کلام کا مطالعہ سم قاتل ہے (۲) بس ان کی ایسی مثال ہے جیسے بجلی کا تار، کہ فی نفسہ وہ نہایت عجیب شئے ہے کہ روشنی اور ہوا کا آرام اُس سے ملتا ہے ٹرینیں (۳) اُس سے چلتی ہیں مگر اُس سے دور ہی رہنا چاہیئے ہاتھ لگانا غصب ہے جہاں ہاتھ لگایا اور اُس نے انسان کا خاتمہ کیا اسی طرح ان حضرات کو صاحب کمال سمجھتے رہو اُن کا احترم کرو مگر دور ہی رہو ان کی صحبت مضر ہے (۴) گو خود قابلِ احترام ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

نکتہ ہا چوں تیغ پولا دست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز(۵)
پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا(۶)

یہ تو ان کا حال ہے جو صاحب کمال واقعی تھے آگے ان لوگوں کی خبر لیتے ہیں جو اہلِ کمال نہیں ہیں محض نقال ہیں کہ اہلِ کمال کی باتوں کو بے سمجھے بوجھے گاتے پھرتے ہیں اور مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں ؎

(۱) اتنے احساس کی بنا پر وہ احکام کے پابند نہیں ہوتے (۲) ہلاک کردینے والا زہر ہے (۳) ریلیں (۴) ان کے پاس بیٹھنا نقصان دہ ہے (۵) ان کے نکات کی کاٹ تلوار سے بھی تیز ہوتی یہ جب تیرے پاس ان سے بچنے کی ڈھال نہیں ہے تو ان کے سامنے سے ہٹ جا (۶) اس تیز دھار تلوار کے سامنے بغیر ڈھال کے ہرگز مت آؤ اس لئے کہ یہ کاٹنے میں کسی کی رعایت نہیں کرتی۔

ظالم آن قومیکہ چشماں دوختند از سخن ہا عالمے را سوختند (۱)

واقعی ان نقالوں نے دنیا میں آگ لگادی بہتوں کے خرمن ایمان کو (۲) جلا پھونک دیا غرض یہ بات محقق ہوگئی کہ وحدۃ الوجود کی جو اصل حقیقت ہے وہ شریعت کے بالکل مطابق ہے اور جس نے وجود مستقل سے زیادہ کی نفی کی ہے وہ اس وقت غلبۂ حال سے مغلوب تھا۔

کاملین پر غلبہ حال

اگر شبہ ہو کہ بعض کاملین کے کلام میں بھی ایسے مضامین پائے جاتے ہیں اور کاملین مغلوب الحال نہیں ہوتے تو جواب یہ ہے کہ غلبۂ حال جس طرح ناقصین کو ہوتا ہے اسی طرح گاہے کاملین پر بھی ہوجاتا ہے بلکہ بعض دفعہ انبیاء پر بھی ہوتا ہے حضور ﷺ پر بھی غلبۂ حال ہوا ہے ایک دفعہ واقعہ فترۃِ وحی (۳) میں کہ جب حضور ﷺ پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی تو چند آیات نازل ہوکر پھر بند ہوگئی تین سال تک وحی نازل نہ ہوئی اس عرصہ میں حضور ﷺ پر سخت قبض طاری ہوا جس میں بعض دفعہ یہ حالت ہوتی کہ آپ پہاڑ پر چڑھ کر اوپر سے اپنے کو گرا کر ہلاک کرنا چاہتے اس وقت معاً حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوکر تسلی فرماتے اور اس فعل سے روکتے دوسرے واقعہ بدر میں جس کا قصہ حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ حضور ﷺ اُس روز صبح کی نماز کے بعد عریش مبارک میں مسلمانوں کی فتح کے لئے دعا فرمارہے تھے اور دعاء بھی الحاح کے ساتھ حتی کہ یہ بھی فرمادیا (اللھم ان تھلك ھذہ العصابة لم تعبد بعد الیوم) اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہوگئی جو اس

(۱) وہ لوگ بڑے ہی ظالم ہیں جو اس قسم کے کلمات پر آنکھیں جمالیتے ہیں اور پورے عالم میں اپنے کلام سے آگ لگاتے پھرتے ہیں (۲) ذخیرہ ایمان کو جلادیا ہے (۳) جس زمانے میں آپ ﷺ پر نزول وحی موقوف رہی۔

وقت میرے ساتھ ہے تو پھر آج کے بعد کوئی آپ کا نام نہ لے گا کوئی آپ کی پرستش نہ کرے گا۔ آخر یہ کیا تھا حق تعالیٰ کو یہ سنایا جارہا ہے کہ آج کے بعد آپ کا کوئی نام نہ لے گا بھلا خدا کو کسی کی عبادت کی ضرورت ہی کیا تھی علماء ظاہر تھک جائیں گے تاویلیں کرتے کرتے مگر صوفیہ بے تکلف کہتے ہیں کہ اس وقت حضور ﷺ پر غلبۂ حال تھا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر جو لوگ گئے تھے عبادت عجل (۱) سے معذرت کرنے اور وہاں ان پر صاعقہ نازل ہوا (۲) جس سے سب ہلاک ہوگئے اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی جس میں یہ جملہ بھی ہے ﴿اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ﴾ فرماتے ہیں کہ یہ عبادت عجل کا قصہ آپ ہی کا تو کرشمہ ہے یہ بھی غلبۂ حال ہی تھا ورنہ بدون غلبۂ حال کے انبیاء علیہم السلام ایسی بات نہیں فرماسکتے اسی طرح بعض کاملین بھی غلبۂ حال میں وحدت الوجود میں مبالغہ کرجاتے ہیں۔

''انا للہ'' میں دی گئی تعلیم

بہرحال اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ نہ ہمارا وجودِ مستقل نہ ہم کسی چیز کے مالک نہ کوئی چیز ہمارے قبضہ میں جو کچھ ہے سب حق تعالیٰ کا ہے ان کو اپنی اشیاء میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے۔ یہی تعلیم ہم کو انا للہ میں دی گئی ہے کہ کسی چیز کو اپنا نہ سمجھیں حتی کہ اپنے آپ کو بھی خدا ہی کا سمجھیں اس مضمون کے استحضار سے تجاویز وآمال (۳) کا قلع قمع ہوجائے گا پھر کسی مصیبت سے بھی کلفت زیادہ نہ ہوگی۔

(۱) بچھڑے کی عبادت کے قصہ پر معزرت کرنے کے لئے (۲) بجلی کی کڑک (۳) جو لمبی لمبی امیدیں باندھ رکھی ہیں وہ ختم ہوجائیں گی۔

پس جب کوئی مصیبت آوے ہم کو فوراً یاد کر لینا چاہیئے کہ ہم اور ہمارا سب مال و متاع وغیرہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور مالک کو ہر طرح اختیار ہے جو چاہے کرے دیکھئے ہمارے گھر میں ایک الماری ہے اور بہت سے برتن ہیں تو ہم کبھی تو برتنوں کو اس ترتیب سے لگاتے ہیں کہ پیالیاں اوپر کے تختے پر رکابیاں(۱) نیچے کے تختہ پر اور کبھی اُس ترتیب کو بدلدیتے ہیں ہ جو نیچے ہیں اُن کو اوپر کر دیا اور جو اوپر ان کو نیچے کر دیا اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ صاحب آپ نے اوپر کے برتنوں کو نیچے اور نیچے کے برتنوں کو اوپر کیوں کیا بتلایئے آپ کیا جواب دیں گے ۔ آپ صاف یہی کہیں گے کہ الماری بھی میری اور برتن بھی میرے مجھے اختیار ہے جہاں چاہوں رکھوں آپ اعتراض کرنے والے کون ہیں۔ یا اللہ! آپ کو تو اس برائے نام ملک کی وجہ سے ایسا اختیار حاصل ہو اور خدا تعالیٰ کو حقیقی ملک کے بعد بھی یہ اختیار حاصل نہ ہو غضب کی بات ہے پس سمجھ لیجئے کہ جس طرح آپ کی الماری کے مختلف طبقے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی عالم کے مختلف طبقے کر رکھے ہیں ایک طبقہ اوپر ہے ایک نیچے ہے پس کبھی وہ مخلوقات کو نیچے سے اُٹھا کر اوپر کے طبقہ میں رکھدیتے ہیں (یہ تو مرنے والے ہیں) اور کبھی بعض کو اوپر سے نیچے بھیج دیتے ہیں (یہ پیدا ہونے والے ہیں) اس پر آپ ناک منہ کیوں چڑھاتے ہیں اور جب کوئی آپ کا عزیز مرتا ہے اس وقت خدا کی شکایت کیوں کی جاتی ہے آخر کیا آپ اپنی چیزوں میں ردو بدل نہیں کرتے کہ اس کو اُٹھایا وہاں رکھا اس کو لا کر یہاں رکھا اسی طرح حق تعالیٰ بھی ردو بدل کرتے ہیں دیکھو جس شخص کے یہاں بہت سے جانور ہوتے ہیں وہ کبھی تو ان کو اپنے گھر کے دروازہ میں باندھتا ہے کبھی جنگل میں مکان بنا کر کھیت کے پاس باندھتا ہے بھلا جانور کو کچھ حق ہے

(۱) پلیٹیں۔

اعتراض کا کہ مجھے یہاں کیوں باندھا وہاں کیوں نہ باندھا، کچھ حق نہیں کیونکہ آپ مالک ہیں وہ مملوک ہے اُس کو کوئی حق نہیں کہ ہمیشہ ایک ہی جگہ بندھنا چاہے۔ اے اللہ پھر خدا تعالیٰ کو یہ اختیار کیوں نہیں کہ آج انہوں نے آپ کو بستی میں رکھا اور چند روز کے بعد جنگل بیابان میں قبر کے اندر رکھدیا اُس کی چیز ہے جہاں چاہے رکھے کسی کو کیا حق اعتراض ہے۔

حق تعالیٰ کا برتاؤ رحمت وشفقت پر مبنی ہے

پھر حق تعالیٰ مالک ہونے کے ساتھ رحیم بھی ہیں جو مالک مہربان ہوتا ہے وہ جو برتاؤ بھی کرتا ہے اس میں سب غلام راضی رہتے ہیں کیونکہ اس کا برتاؤ رحم سے خالی نہیں ہوتا پھر وہ حکیم بھی ہیں اگر حق تعالیٰ میں صرف حکمت ہی ہوتی تو یہی ایک صفت بندہ کے رفع حزن کے لئے کافی تھی۔ دیکھئے ڈاکٹر نشتر (۱) لگاتا ہے مگر اس سے کوئی ناراض نہیں ہوتا بلکہ شکریہ ادا کرتے اور فیس دیتے ہیں میرے والد صاحب کے ہاتھ میں ایک دانہ ہوگیا تھا جس کی بہت تکلیف تھی اُس میں پیپ پڑگئی جس کی وجہ سے نشتر کی ضرورت تھی والد صاحب نے نشتر سے انکار کیا ڈاکٹر نے کہا اچھا میں مرہم لگادوں گا اُسی سے اچھا ہوجائے گا پھر باتوں باتوں میں کسی بہانہ سے آنکھ بچا کر فوراً نشتر لگادیا چونکہ دانہ پک چکا تھا اس لئے والد صاحب کو نشتر کی خبر بھی نہ ہوئی بس دفعۃً مڑکر جو دیکھا تو اُس میں سے پیپ لہو نکل رہا تھا والد صاحب بہت ممنون (۲) ہوئے کہ بدون (۳) تکلیف کے یہ کام ہوگیا اور ڈاکٹر کو معقول نذرانہ دیا۔ تو بڑا غضب ہے کہ مسلمان ہوکر خدا تعالیٰ سے لوگوں کو اتنا بھی اعتقاد نہیں جتنا ڈاکٹر سے ہوتا ہے۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کلفت

(۱) پھنسی پھوڑا کاٹنے کے لئے چاقو سے شگاف دینا (۲) احسان مند (۳) بغیر تکلیف۔

ہمارے اوپر ڈالی جاوے تو ہم کو سمجھنا چاہیئے کہ یہ کسی باطن دل (۱) کے لئے نشتر ہے۔

ہماری حالت

مگر اب تو یہ حالت ہے کہ جہاں کوئی ناگوار بات پیش آئی یوں کہتے ہیں کہ اے ہے! ہم کس گناہ میں پکڑے گئے، اس میں دو باتیں تعجب خیز ہیں ایک یہ کہ جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے وہ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے جبھی تو کہتا ہے کہ کس گناہ میں پکڑے گئے اگر اپنے کو سراپا گناہ سمجھتا تو یہ کلمہ ہرگز زبان سے نہ نکلتا۔ صاحبو! آپ مصیبت کے وقت یہ کہتے ہیں کہ ہم کس گناہ میں پکڑے گئے۔ میں کہتا ہوں کہ تم پر اگر انعام ہو تو یوں کہو کہ ہم نے کونسا نیک کام کیا تھا جو یہ انعام ہمارے اوپر ہوا۔ بخدا ہمارے اوپر انعام ہونا تعجب خیز ہے سزا ہونے میں کیا تعجب ہے ہمارا کونسا وقت اور کونسا کام گناہ سے خالی ہے دوسری بات اس کلمہ میں یہ ہے کہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ شاید خدا تعالیٰ کو حکیم نہیں سمجھتے ورنہ بجائے تعجب و شکایت کے اس کی حکمتوں میں غور کرتے اور بخدا غور کرنے کے بعد حق تعالیٰ کے معاملات کی حکمتیں ضرور معلوم بھی ہو جاتی ہیں اگر اس وقت نہ معلوم ہوں تو بعد کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور اگر بالکل معلوم نہ ہوتیں تب بھی اعتقاد اجمالِ حکمت کا کافی تھا (۲) غرض حق تعالیٰ مالک بھی ہیں حکیم بھی ہیں محبوب بھی ہیں اور ان میں سے ہر صفت کا مقتضا یہ ہے کہ اُن کی طرف سے جو برتاؤ بھی ہو اُس سے ناگواری نہ ہونا چاہیئے۔ چہ جائیکہ ان میں تمام صفات مجتمع ہیں بلکہ بعض صفات کا مقتضا تو یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی ناگوار معاملہ بلاوجہ بھی ہمارے ساتھ ہو جب بھی ناگواری نہ ہونی

(۱) کسی باطنی پھوڑے کے لئے زخم لگایا گیا ہے (۲) صرف یہ یقین رکھنا ہی کافی تھا کہ اس میں کوئی حکمت ہوگی۔

چاہیئے کیونکہ مالک کو اپنی مملوکات میں ہر طرح اختیار ہوتا ہے اس کے تصرف کے لئے کسی وجہ کی ضرورت نہیں بس یہی وجہ کافی ہے کہ وہ مالک ہے اسی طرح محبوب کو محبّ کے امتحان کا ہر وقت حق حاصل ہوتا ہے اس کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ محبوب ہے۔

ہماری جہالت کا حال

مگر یہاں تو وجہ بھی موجود ہے پھر اس کے بعد بتلایئے خدا تعالیٰ کی شکایت کا کیا حق ہے، وہ وجہ کیا ہے ہماری نافرمانی سرکشی، چنانچہ ہمارا کوئی کام بھی معصیت (۱) سے خالی نہیں بعض لوگ خوش ہوتے ہونگے کہ ہم نماز روزہ کرتے ہیں مگر ہم جو اپنے اعمال کو دیکھتے ہیں تو سراپا ناقص ہی ناقص ہیں ہماری حسنات بھی خود معصیت ہیں، ہمارے بعض حضرات تو بوجہ ناواقفی مسائل کے مفسدات (۲) میں مبتلا ہیں بعض حرکتیں ایسی کر جاتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کیونکہ مسائل سے بے خبر ہیں مراد آباد میں ایک مسافر امام نے دو رکعت پر سلام پھیر کر مقتدیوں سے کہا کہ اپنی نماز پوری کرلو میں مسافر ہوں تو مقیمین میں سے ایک صاحب نماز کے اندر ہی کہتے ہیں ہاں جناب کیا فرمایا، انہوں نے کہا کہ میں نے تو جو کچھ فرمایا تھا بعد کو بتلاؤں گا مگر پہلے آپ اپنی نماز کا اعادہ کرلیں۔ اسی طرح ایک مولوی صاحب ساڈھورہ میں تھے جب وہ طالب علمی کرتے تھے تو اس وقت ایک نماز میں کسی امام کے پیچھے شریک ہوئے امام غلطی سے تیسری رکعت پر بیٹھ گیا تو آپ پیچھے سے فرماتے ہیں قم یعنی کھڑے ہو جاؤ امام کو یاد آ گیا کہ تیسری رکعت ہے وہ کھڑے ہو گئے سلام کے بعد انہوں نے کہا کہ یہ قم فرمانے والے کون صاحب تھے وہ اپنی نماز کا اعاد (۳) کرلیں تو

(۱) گناہ (۲) نماز میں ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے (۳) اپنی نماز لوٹالیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ کیوں میں نے تو عربی میں کہا تھا امام نے کہا سبحان اللہ تو پھر اہلِ عرب کی نماز تو کبھی باطل (۱) نہ ہونی چاہیئے خواہ کچھ ہی باتیں کرتے رہیں کیونکہ وہ اردو میں تھوڑا ہی باتیں کرتے ہیں تو یہ طالب علم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اردو فارسی ہی میں باتیں کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے عربی میں باتیں کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اور اس سے بھی عجیب ایک اور قصہ ہے ہمارے ملنے والوں میں ایک صاحب حافظ اکبر تھے سمجھدار پڑھے لکھے ایک دفعہ وہ اور دو شخص اور امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے امام کو نماز میں حدث ہوا تو انہوں نے ان ہی حافظ اکبر کو پیچھے سے آگے کھڑا کر کے خلیفہ بنادیا اور خود وضو کرنے چلے گئے مقتدی دو شخص رہ گئے ان میں سے ایک بولا کہ ہیں یہ کیا ہوا (یعنی یہ کیا قصہ ہے کہ امام چلا گیا اور مقتدی امام بن گیا) دوسرا بولا چپ رہ یوں بھی ہوا کرتا ہے۔ خیر یہ تو دونوں جاہل تھے مگر مزا یہ کہ حافظ اکبر صاحب جو امام بنے ہوئے تھے آگے کھڑے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب میں کس کو نماز پڑھاؤں ظالموں نے سبھی نے نماز غارت کردی اب یہ قصے تو جاننے والوں کے سامنے ہوئے اس لئے معلوم ہوگیا کہ نماز نہیں ہوئی اور اگر کہیں سارے جاہل ہی ہوں تو نماز کا فاسد ہونا بھی معلوم نہ ہوگا بتلایئے ایسی حالت میں بدون علم دین حاصل کئے ہوئے کیونکر اطمینان ہو کہ ہم لوگ جتنی نمازیں پڑھتے ہیں سب صحیح ہوتی ہیں۔

نماز میں کی جانے والی کوتاہیاں

اور اگر کوئی اللہ کا بندہ مسائل سے واقف بھی ہوا اور مفسدات میں بھی مبتلا نہ ہوا مگر التفات میں اور عبث فضول حرکات میں تو کثرت سے ابتلا ہے مکروہات

(۱) کبھی نہ ٹوٹتی۔

سے تو بہت ہی کم لوگ بچتے ہیں بعض لوگ بلاضرورت کھانستے ہیں کوئی نگاہ اونچی رکھتا ہے کوئی بار بار کھجلاتا ہے کوئی رکوع سجدے میں ایسی جلدی کرتا ہے کہ نہ قومہ پورا ہوتا ہے نہ جلسہ۔ اکثر لوگ نماز میں قرآن غلط پڑھتے ہیں اور باوجود قدرت کے صحیح نہیں کرتے اور اس کے سوا بہت سی کوتاہیاں ہیں کہاں تک احصار(۱) کیا جائے اور اگر کسی نے ان سب کی بھی اصلاح کرلی تو خشوع سے تو قریب قریب سبھی محروم ہیں الا ماشاء اللہ اور بدون خشوع وحضور قلب کے کامل نماز نہیں ہوتی تو سب کی نمازیں ناقص ہیں۔

خشوع کی حقیقت

اور خشوع سے محرومی کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ حقیقت ناشناسی سے اس کو غیر ممکن سمجھتے ہیں اور اس ناحقیقت شناسی کی وجہ یہ ہے کہ سلوک میں کوئی کتاب نہیں پڑھتے نہ اس فن کو کسی سے حاصل کرتے ہیں اس لئے عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ خشوع کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے بس یہ تو بڑے بڑے بزرگوں ہی کو حاصل ہوسکتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ خشوع کا ہر مسلمان مکلّف ہے اگر یہ ہر شخص کی قدرت میں نہ ہوتو تکلیف مالایطاق لازم آتی ہے (۲) اور وہ شرعاً ممتنع (۳) ہے سو میں کہتا ہوں کہ خشوع کی حقیقت بہت سہل ہے (۴) کچھ مشکل نہیں ہاں کرنے کی چیز ہے اگر آپ یوں چاہیں کہ بدون کچھ کئے کام ہوجائے تو پھر روٹی بھی نہ کھایا کیجئے کیونکہ اس میں بھی تو کچھ کرنا پڑتا ہے باقی اس کا میں اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ کو زیادہ مشقت نہ کرنا پڑے گی صرف ارادہ کرنا پڑے گا اور یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔

خشوع کا جو نسخہ میں بتلاؤں گا وہ میرے استاد علیہ الرحمۃ کا فرمایا ہوا ہے

(۱) کہاں تک احاطہ کیا جائے (۲) جس حکم کی بجا آوری کی طاقت نہ ہو اس کا پابند کرنا لازم آتا ہے (۳) شرعی طور پر یہ بات ممنوع ہے (۴) آسان۔

واقعی لاکھوں روپیہ کا نسخہ ہے جو بہت ہی سستے داموں بلکہ بلا داموں مل گیا قدر کی چیز ہے وہ نسخہ یہ ہے کہ نماز میں جو ہم لوگ دعائیں اور سورتیں پڑھتے ہیں وہ چونکہ ہم کو حفظ ہوگئی ہیں اس لئے ہم ان کو روانی کے ساتھ اس طرح پڑھتے ہیں کہ اُن کے ہر جزو کے لئے ارادہ اور قصد کی ضرورت نہیں ہوتی بس ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد گھڑی کی طرح زبان خود بخود چلتی رہتی ہے آپ چاہے توجہ کریں یا نہ کریں سب دعائیں خود بخود زبان سے ادا ہوتی رہیں گی اور چونکہ سورتیں بھی ساری عمر کے لئے دو تین ہی چھانٹ رکھی ہیں اس لئے ان کی تعیین کے لئے بھی توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی یہ تو تمہید تھی۔

حصول خشوع کا طریقہ

اب خشوع کا طریقہ سمجھو کہ تم حافظوں کی طرح اُن دعاؤں اور سورتوں کی نمازیں نہ پڑھا کرو بلکہ ناظرہ خوانوں کی طرح پڑھا کرو اور ناظرہ خواں بھی وہ جس کا قرآن کچا ہو یا ایسے حافظ کی طرح جس کا قرآن کچا ہو تو جس طرح ایسا ناظرہ خواں یا ایسا حافظ ہر لفظ کو غور سے دیکھ کر یا سوچ کر ادا کرتا ہے اور لفظ لفظ پر دھیان کر کے پڑھتا ہے اسی طرح تم نماز میں ہر ہر لفظ پر مستقل توجہ اور ارادہ کیا کرو کہ اب سبحانك اللهم کہہ رہا ہوں اب بحمدک کہہ رہا ہوں اب الحمدللہ کہہ رہا ہوں اب رب العٰلمین زبان سے نکال رہا ہوں اسی طرح ساری نماز پڑھو پس خشوع حاصل ہوگیا کیونکہ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی وسوسہ اور خیال نماز میں نہ لایا جائے بلکہ اپنی توجہ کو نماز کی طرف رکھا جائے اس طرح ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ اور توجہ کرنے سے پھر آپ کو عمداً کوئی وسوسہ نہ آئیگا کیونکہ قاعدہ ہے النفس لا تتوجه الی شیئین فی ان واحدٍ یعنی ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہوسکتی ع

انائے کہ پرشد دگر چوں پرد(۱)

جب آپ پوری توجہ کو الفاظ پر مبذول رکھیں گے تو آپ کے ارادہ سے کوئی خیال نہ آئیگا اول تو انشاء اللہ کوئی بھی خیال نہ آئے گا اور اگر آئے گا تو بلا ارادہ آئے گا جیسے نگاہ کو آپ ایک جگہ پر جمائیں تو شئے منظور(۲) کے سوا آس پاس کی چیزیں بھی خود بخود مبصر(۳) ہوجاتی ہیں بصارت کی طرح بصیرت کا بھی(۴) یہی حال ہے کہ ایک طرف توجہ جمانے سے بھی خود بخود بعض مخزونات(۵) خیال سامنے آجاتے ہیں مگر یہ خشوع کے لئے مضر نہیں(۶) اور ان کا نہ آنا اختیار میں نہیں اور جو لوگ خشوع کو دشوار و مشکل کہتے ہیں وہ خشوع کی حقیقت یہی سمجھے ہیں کہ از خود بھی کوئی خیال نہ آئے مگر یہ اُن کی غلطی ہے کیونکہ وساوس انسان(۷) کے اختیار سے باہر ہیں ہاں یہ اختیار میں ہے کہ اپنی طرف سے نہ لاؤ تو اسی کے ہم مکلّف بھی ہوسکتے ہیں اور جو اختیار میں نہیں اس کے مکلّف ہی نہیں ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۸) اس آیت کا نزول وساوس غیر اختیاریہ ہی کے بارے میں ہوا ہے تو معلوم ہوگیا کہ خشوع بہت ہی سہل ہے اور اس کی تحصیل واجب ہے مگر ہم اس سے بالکل غافل ہیں تو کیا یہ سیئہ نہیں(۹)۔ یقیناً سیئہ ہے پس ثابت ہوگیا کہ ہم طاعات میں بھی سیئات(۱۰) سے خالی نہیں ہیں جب ہماری طاعات کا یہ حال ہے تو معاصی تو معاصی(۱۱) ہی ہیں۔

(۱) جو کشتی پہلے ہی بھری ہوئی ہو اس میں دوسرا کیسے سوار ہوگا (۲) جس چیز پر نظر جما رکھی ہے (۳) خود بخود نظر آتی ہیں (۴) آنکھوں کی بینائی کی طرح دل کی بینائی کا بھی یہی حال ہے (۵) کچھ بے حقیقت خیالات خود بخود آجاتے ہیں (۶) خشوع کے لئے نقصان دہ نہیں ہے (۷) وساوس کا آنا (۸) اللہ تعالیٰ انسانی قدرت سے زیادہ اسکو مکلّف نہیں کرتا (۹) کیا یہ گناہ نہیں ہے (۱۰) ہمارے نیک اعمال بھی گناہوں سے خالی نہیں (۱۱) گناہ تو گناہ ہیں۔

غلط جملے

اب سوچئے کہ ہمارا کسی مصیبت کے وقت یہ کہنا کہ ہائے کس گناہ میں پکڑے گئے کتنا غلط جملہ ہے ارے کوئی ایک گناہ ہے، یوں کہتے ہو کہ کس گناہ میں پکڑے گئے یہاں تو سر سے پیر تک گناہ ہی گناہ ہیں سارا بدن ہی زخمی ہے

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم(۱)

انعامات الٰہی

پھر اس پر بھی حق تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی کس قدر بارش ہے یہ جائے تعجب ہے، پس ہم کو تو انعام کے وقت یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم سے ایسا کونسا نیک کام ہوگیا تھا جو یہ انعام ہوا پھر یہ کہ جس کی طرف سے باوجود ہماری نالائقی کے اسقدر انعامات ہیں اگر کبھی اس کی طرف سے کلفت بھی پہنچ جائے تو کیا ناگواری ہونی چاہیئے۔ صاحب جو تم کو ہمیشہ حلوے کھلاتا رہے اگر اُس کے ہاتھ سے کبھی کوئی تلخ چیز منہ کے اندر پہنچ جائے تو مروت کا مقتضا یہ ہے کہ اُس کو خوشی سے قبول کرنا چاہیئے ؎

آنرا کہ بجائے تُست ہر دم کرمے عذرش بنہ ارکند بعمرے ستمے (۲)

حضرت لقمان کی دیانت وامانت

حضرت لقمان علیہ السلام کا قصہ ہے کہ وہ ابتدا میں ایک شخص کے یہاں باغبانی کرتے تھے ایک دفعہ مالک باغ کی سیر کو آیا اور اُس نے حضرت لقمان سے

(۱) پورا جسم ہی زخمی ہے پھایہ کہاں کہاں رکھا جائے (۲) جس کی طرف سے تم پر ہر وقت انعامات کی بارش ہو رہی ہو اگر کبھی کوئی تکلیف بھی پہنچ جائے تو شکایت کا موقع نہیں۔

کہا کہ ذرا کوئی شیریں ککڑی توڑ کر لاؤ یہ توڑ کر لائے اور آقا نے اس کی قاشیں کر کے ایک قاش ان کو بھی دی منہ میں رکھا تو نہایت تلخ تھی مگر حضرت لقمان نے ذرا منہ نہ بنایا خوشی خوشی کھالی آقا سمجھا کہ شیریں ہوگی جبھی تو خوشی خوشی کھا رہے ہیں ایک قاش اُس نے بھی منہ میں رکھی تو نہایت تلخ تھی اُس نے حضرت لقمان سے کہا کہ میاں یہ تو نہایت تلخ ہے تم نے تو اسے بڑی خوشی سے کھایا ذرا بھی منہ نہ بنایا جوابدیا کہ حضور آپ کے ہاتھ سے بہت دفعہ مٹھائیاں بھی کھائی ہیں اگر ایک دفعہ کڑوی چیز بھی کھالی تو کیا اس کو زبان پر لاتا اس جواب سے آقا کو ان کی بہت قدر ہوئی پھر اُس نے پوچھا کہ تم اتنے دنوں سے باغبانی کرتے ہو تم کو اب تک اتنی پہچان نہیں ہوئی کہ کونسا پھل شیریں ہے اور کونسا تلخ فرمایا کہ حضور یہ پہچان تو اس کو ہو جو سارے پھلوں کو چکھتا ہو اُس کو البتہ معلوم ہوسکتا ہے کہ فلاں شیریں اور فلاں تلخ ہے اور جس نے آج سے پہلے کسی پھل کو چکھا ہی نہ ہو اُسے کیونکر معلوم ہوسکتا ہے کہ ان میں شیریں کونسا ہے اور تلخ کونسا ہے کہا پھر تم کو چکھنے سے منع کس نے کیا تھا فرمایا حضور منع تو نہیں کیا تھا مگر اجازت بھی نہیں دی تھی مجھے تو باغ کی خدمت کا امر کیا گیا تھا چکھنے کو نہیں کہا گیا تھا اس لئے میں خدمت کرتا رہا آج تک چکھا کسی کو بھی نہیں اس جواب سے اس کو حضرت لقمان کی دیانت وامانت کا اندازہ ہوا۔

تعلیمِ الٰہی

غرض دیکھئے حضرت لقمان نے ایک ادنیٰ محسن کے ہاتھ سے تلخ چیز پہنچنے پر ناگواری نہیں ظاہر کی پھر حیرت ہے کہ ہم حق تعالیٰ سے ناگواری ظاہر کریں جس کی طرف سے ہر وقت انعامات کی بارش ہمارے اوپر ہو رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو بدن کو کلفت یا قلب کو پریشانی نہ ہونا چاہیئے یہ تو طبعی امور

ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ عقلی ناگواری تو نہ ہونی چاہیئے۔ جیسے آپریشن سے جسم و قلب کو تو کلفت ہوتی ہے مگر عقلی ناگواری نہیں ہوتی بلکہ عقلاً ڈاکٹر کے پہلے سے زیادہ ممنون ہوتے ہیں کم از کم خدا تعالیٰ کے ساتھ اتنا تعلق تو ہونا چاہیئے تو انا للہ میں ہم کو یہ تعلیم دی گئی ہے اس کے استحضار کے بعد بتلایئے حُزن رہ سکتا ہے(۱) ہرگز نہیں۔

تسلی کا مضمون

اب وہ لوگ رہ گئے جن کو کسی محبوب کی مفارقت(۲) سے غم ہوتا ہے مثلاً بیوی مرگئی یا اولاد مرگئی ان لوگوں کو انا للہ کے مضمون سے یہ بات تو حاصل ہوگی کہ حق تعالیٰ کی شکایت نہ کریں گے بلکہ سمجھیں گے کہ خدا تعالیٰ کو سب طرح تصرف(۳) کا اختیار ہے اُسی کی چیز تھی اُس نے لے لی مگر فراق محبوب سے جو دل کو ایک بے چینی ہوتی ہے اُس کا علاج اِس سے نہیں ہوا تو آگے انا للہ وانا الیہ راجعون میں ان کا علاج فرمادیا کہ تم یقین رکھو کہ جہاں محبوب گیا ہے چند روز میں تم بھی وہیں پہنچ جاؤ گے تو اس فراق کو لازمی اور دائمی نہ سمجھو بلکہ یہ ایک دن ختم ہونے والا ہے پھر سب مجتمع ہوجائیں گے آخر کبھی تم کو سفر پیش نہیں آتا یا محبوب کو سفر پیش نہیں آتا اس وقت تم کو اس قدر بے چینی کیوں نہیں ہوتی محض اس لئے کہ تم اُس فراق(۴) کو ایک دن ختم ہونے والا سمجھتے ہو پس اسی طرح اب بھی سمجھو بلکہ سفر میں تو تم کو دو چار روز یا دو چار مہینے کی مفارقت کا یقین بھی ہوتا ہے اور یہاں تو ایک دن کی مہلت کا بھی یقین نہیں کیونکہ ؎

شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود(۵)

---

(۱) ''انا للہ'' کے معنی میں غور وفکر کرنے کے بعد غم نہیں رہ سکتا (۲) محبوب کی جدائی (۳) اللہ کو ہر قسم کے عمل کا اختیار ہے (۴) جدائی (۵) شاید یہی سانس آخری ثابت ہو۔

تم اپنی رسی کو اتنا دراز کیوں سمجھتے ہو کہ محبوب کے بعد ہم بہت دیر جئیں گے اور عرصہ تک مفارقت رہے گی۔ نہیں بلکہ تم موت کو اپنا نصب العین رکھو اور دل کو یوں سمجھاؤ کہ بس تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر ہم بھی وہیں پہنچ جائیں گے جہاں یہ گیا ہے اس مضمون کے استحضار (۱) سے مفارقت محبوب کا غم (۲) بھی ہلکا ہو جائیگا۔

ازالہ غم کا اہتمام

تو دیکھئے حق تعالیٰ کو اپنے نبی کی امت کا محزون (۳) و غمگین رہنا بھی گوارا نہیں اُس کے ازالۂ حزن (۴) کی بھی مختلف تدبیریں فرمائی ہیں تو وہ اپنے محبوب ﷺ کے رنج کو کیونکر گوارا فرما سکتے ہیں۔ اس لئے جب حضور ﷺ کو کوئی رنج پیش آیا حق تعالیٰ نے جلدی ہی اس کو زائل فرمایا چنانچہ سورۂ ضحیٰ کا نزول بھی ایک رنج ہی کے ازالہ کے لئے ہوا ہے جو حضور ﷺ کو پیش آیا تھا اور اُسی رنج کے ازالہ کے لئے حق تعالیٰ نے اپنے احسانات یاد دلائے ہیں کیونکہ اس کو رفع حزن میں (۵) خاص دخل ہے۔ یہاں بعض لوگوں کو تعجب ہوگا کہ تذکیر احسانات کو رفع حزن میں کیا دخل ہے مگر اس تعجب کا منشا یہ ہے (۶) کہ ان لوگوں نے حضور کے حزن کو اپنے حزن پر قیاس کیا ہے۔

حضور ﷺ کے بشر ہونے کی تحقیق

اور یہ بڑی غلطی ہے کہ لوگ حضور کو اپنے اوپر قیاس کر لیتے ہیں اور آپ ﷺ کے حالات کو اپنے حالات پر حالانکہ حضور کی شان یہ ہے بشر لا کالبشر ولکن کالیاقوت بین الحجر ۔آپ بشر تو ہیں مگر اور انسانوں کے مانند نہیں ہیں بلکہ آپ انسانوں میں ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت ہوا کرتا ہے کہ جنس کے اعتبار سے تو وہ

(۱) یہ مضمون پیش نظر رکھنے سے (۲) محبوب کی جدائی کا غم (۳) غمزدہ رہنا (۴) غم کو دور کرنے کی (۵) غم دور کرنے میں (۶) تعجب کی وجہ۔

بھی پتھر ہی ہے مگر زمین آسمان کا فرق ہے یاقوت میں اور دوسرے پتھروں میں۔ اب اگر کوئی محض اشتراک جنس (۱) کی وجہ سے یاقوت کو اور پتھروں پر قیاس کرنے لگے تو اُس سے یوں ہی کہا جائیگا کہ تیری عقل پر پڑیں پتھر۔ لہذا محض انسان سمجھ کر حضور کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ کیا انسان سارے یکسان ہی ہوا کرتے ہیں دیکھو ایک آدمی تو حبشی کالا بھجنگا ہے آدمی تو وہ بھی ہے اور ایک حسین یوسف لاثانی ہے وہ بھی آدمی ہی ہے مگر کیا دونوں برابر ہیں اور کیا ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جاسکتا ہے ہرگز نہیں ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ اگر کسی نے آدمیوں میں صرف اس یوسف لاثانی کو دیکھا ہو اس کے بعد پھر حبشی کو دیکھے تو وہ ہرگز یقین نہ کریگا کہ یہ بھی آدمی ہے بلکہ اُس کو جن یا دیو سمجھے گا کیونکہ اُس کے نزدیک تو آدمی اُسے کہتے ہیں جو اس حسین کے مشابہ ہو۔ اسی طرح حضور ایسے انسان ہیں کہ آپ کو دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تم بھی آدمی ہیں وہ تو نہ معلوم ہم کو کیا سمجھے گا کہ یہ گدھے ہیں یا بیل ہیں اب یہاں تین فرقے ہوگئے بعض تو وہ ہوئے جنہوں نے حضور کو بشر ہی نہ سمجھا وہ تو خواص اُلوہیت کو حضور کے لئے ثابت کرنے لگے اور بعض وہ ہیں جنہوں نے آپ کو بھی بالکل اپنا جیسا بشر سمجھا یہ دونوں غلطی پر ہیں اور ایک فرقہ متوسطہ ہے جو حضور کو بشر تو سمجھتا ہے مگر سب سے اعلیٰ وارفع سمجھتا ہے اور وہی بات کہتا ہے کالبشر لا لبشر بل کالیاقوت بین الحجر واقعی سچی بات ہے ؎

گفتہ اینک مابشر ایشان بشر ما وایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندائستند ایشاں از عمےٰ درمیاں فرقے بود بے منتہا (۲)

(۱) ہم جنس ہونے کی بنا پر (۲) وہ کہتا ہے کہ میں اور وہ دونوں انسان ہیں جبکہ میرے اور اس کے درمیان اتنا فرق ہے کہ وہ چمکتا سورج ہے اور میں ایک خواب۔ وہ اندھا اس فرق کو نہیں جانتا کہ میرے اور اس کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔

غرض ہم لوگ حضور کے حُزن کو اپنے حزن پر قیاس کرتے ہیں اس لئے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تذکر احسانات (۱) کو رفع حزن میں کیا دخل ہے۔

ہمارے اور حضور ﷺ کے غم میں فرق

سو خوب سمجھ لیجئے کہ حضور ﷺ کا رنج ایسا نہ تھا جیسا ہمارا آپکا رنج ہوتا ہے جس کا علاج تذکیر احسانات سے نہیں ہوتا کیونکہ ہم کو رنج ہوتا ہے روٹی نہ ملنے سے کپڑا نہ ہونے سے یا بیمار ہونے سے یا اولاد وعزیز کے مرجانے سے یا مال و متاع کے کھوئے جانے سے اور ان میں سے کوئی رنج بھی ایسا نہیں جو احسانات کی یاد دہانی سے زائل ہوسکے اگر کوئی شخص ننگا ہے تو اُس کا رنج تذکیر احسانات سے زائل نہ ہوگا اسی طرح بیمار کو بھی احسان یاد دلانے سے شفا نہ ہوگی ہاں جس کو رنج اس گمان سے ہو کہ میرا آقا مجھ سے ناراض ہوگیا ہے اس کو تذکیر انعامات و خصوصیات سے تسلی ہوجائیگی۔ ہر شخص کا مزاج جدا ہے ہم کو تو کھانے کپڑے کی تکلیف ہی سے رنج ہوتا ہے اور کسی بات سے نہیں ہوتا اور حضور ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ کو بجز رضائے محبوب کے اور کسی چیز کی پرواہ نہ تھی اس لئے آپ کو صرف ناراضی حق کے وہم سے رنج ہوتا تھا جس کا علاج یہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے احسانات یاد دلا کر تسلی فرماتے ہیں کہ ہم ناراض نہیں ہیں ہم تو آپ پر ہمیشہ عنایتیں کرتے رہتے ہیں بھلا جس شخص کا ایسا مزاج ہو اُس کے رنج کو کون سمجھ سکتا ہے اور کسی کی عقل میں یہ بات کیسے آسکتی ہے کہ احسانات یاد دلانے سے بھی رنج دور ہوا کرتا ہے۔ مزاج کے مختلف ہونے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

(۱) احسانات کو یاد دلانے میں غم کو دور کرنے میں کیا دخل ہے۔

مزاج کا فرق

ایک بادشاہ نے امتحان مذاق کے لئے چار سمت کی چار عورتیں اپنے نکاح میں جمع کی تھیں۔ حسن میں تو سب بے نظیر تھیں کیونکہ بادشاہ کے لئے انتخاب کی گئی تھیں مگر فہم (۱) سب کا مختلف، ایک دن بادشاہ نے ان کی عقل وفہم کا امتحان کرنا چاہا کہ دیکھو عقل وفہم میں بھی سب برابر ہیں یا کم وبیش ہیں، تو اُس نے ختم شب پر سب سے دریافت کیا کہ اب کیا وقت ہے سب نے بالاتفاق کہا کہ اب صبح ہوگئی ہے بادشاہ نے ہر ایک سے دلیل پوچھی کہ تم کو محل کے اندر بیٹھے بیٹھے صبح کا ہونا کیسے معلوم ہوا تو ہر ایک نے مختلف دلائل بیان کئے ایک نے تو کہا کہ شمع کی روشنی دھیمی پڑ گئی ہے اور واقعی صبح کے وقت چراغ کی روشنی ویسی تیز نہیں رہا کرتی جیسی رات کو تیز ہوا کرتی ہے۔ دوسری نے کہا کہ میری نتھ کے موتی ٹھنڈے ہوگئے اس سے میں سمجھی کہ صبح ہوگئی کیونکہ صبح کی ہوا میں رات کی ہوا سے فرق ہوا کرتا ہے صبح کی ہوا میں خنکی زیادہ ہوتی ہے تو اس عورت نے بہت ہی لطیف دلیل بیان کی تیسری نے کہا پان کا مزہ بدل گیا ہے اس نے بھی بہت لطیف بات کہی چوتھی نے صبح ہونے کی دلیل بیان کی کہ مجھے پاخانہ آرہا ہے۔ کیونکہ اکثر صبح ہوتے ہی پاخانہ آیا کرتا ہے۔ اس جواب سے بادشاہ کو معلوم ہوا کہ اس کی طبیعت نہایت گندی اور بھدّی ہے صاحبو! یہی حال ہمارا ہے کہ ہماری تو روٹیوں میں فرق آجاوے تب ہی یہ گمان ہوتا ہے۔ کہ ہائے ہم قہر میں مبتلا ہوگئے اور روٹیاں ملتی رہیں گو مقہور ہی ہو۔ پروا بھی نہیں ہوتی۔ سو حضور کے مزاج کو اپنے مزاج پر قیاس نہ کرو کاملین کا تو رضائے محبوب کی فکر میں یہ حال ہوتا ہے ۔

(۱) عقل وسمجھداری۔

با سایہ ترا نمے پسندم عشق است وہزار بدگمانی(۱)

حضور ﷺ کے غمگین ہونے کی وجہ

ان کو تو عشق ومعرفت کی وجہ سے قدم قدم پر اس وہم سے رنج پہنچتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ ناراض نہ ہوگئے بس اس کے سوا اور کوئی چیز ان کے لئے رنجیدہ نہیں ان کا تو مذاق یہ ہوتا ہے ؎

با تو دوزخ جنت است اے جاں فزا بے تو جنت دوزخ است اے دلربا(۲)

اور یہ شاعرانہ مبالغہ نہیں بلکہ صحیح مضمون ہے دیکھئے حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بہت سے مسلمان دوزخ میں سے گنہگاروں کو نکالنے جائیں گے تو گو وہ اس وقت دوزخ میں ہونگے مگر چونکہ معیت حق نقد وقت ہے اس لئے اُن کے حق میں وہ بھی جنت ہی ہوگی ؎

با تو دوزخ جنت است اے جاں فزا

اور ابلیس کو جب مردود کیا گیا جنت اُسی وقت اُس کے حق میں دوزخ ہوگئی تھی گو مردودیت کے بعد کچھ دیر وہ جنت میں رہا بھی تھا مگر معیت حق سلب ہوجانے کے بعد اس کا کچھ دیر جنت میں رہنا دوزخ میں رہنے کے مشابہ تھا۔ یہی ہے ؎

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

غرض انبیاء اور کاملین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ گو اُن سے خطائیں نہیں ہوتیں مگر بات بات پر اُن کو وہم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کہیں ناراض نہ ہوگئے ہوں اسی لئے حق تعالیٰ نے سورۂ فتحنا میں فرمایا ہے ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ حالانکہ حضور ﷺ ذنب (۳) سے پاک تھے مگر پھر بھی ذنب اس لئے فرمایا کہ

(۱) مجھے تیرے سائے کا تیرے ساتھ ہونا پسند نہیں کیونکہ عشق ہزاروں بدگمانیوں کو جنم دیتا ہے (۲) تیری معیت ہو تو میرے لئے دوزخ بھی جنت ہے اور اگر تیرا ساتھ نہ ہو تو جنت بھی دوزخ ہے (۳) گناہ سے پاک تھے۔

حضور کی پوری تسلی ہوجائے کیونکہ آپ تو اس بے گناہی میں بھی اپنے کو گنہگار سمجھتے تھے آپ کے خیال کے موافق فرمادیا کہ اچھا اگر آپ اپنے کو گنہگار ہی سمجھتے ہیں تو لو ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے اب تو آپ کی تسلی ہوجانی چاہیئے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے عاشق محبوب سے رخصت ہوتے ہوئے کہا کرتا ہے کہ میری خطائیں معاف کردو وہاں خطا کا نام کہاں محبوب کہتا ہے کہ تم تو جان نثار ہو تم سے خطا کیسی؟ مگر وہ آگے ہاتھ جوڑتا ہے خوشامدیں کرتا ہے کہ ایک بار تم زبان سے کہدو کہ میں نے سب خطائیں معاف کیں چنانچہ وہ محض اس کی تسلی کے لئے کہدیتا ہے مگر واقع میں خطا کا نام بھی وہاں نہیں ہوتا۔

عاشق کا حال

اس عشق کی بھی عجیب کیفیات ہیں بس عاشق کا حال یہ ہوتا ہے کہ بُعد میں (۱) تو چین کہاں ہوتا قرب (۲) میں بھی بے چین ہی رہتا ہے ؎

من شمع جا نگدازم تو صبح دلکشائی سوزم گرت نہ بینم میرم چورخ نمائی (۳)
نزدیک آں چنانم دور آں چناں کہ گفتم نے تاب وصل دارم نے طاقتِ جدائی (۴)

نہ اس کو وصل میں چین ہے نہ فصل میں چین ہے جتنا مقرب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ بے چین ہوتا ہے۔

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

(۱) دوری میں (۲) قریب ہوکر بھی آدمی بے چین رہتا ہے (۳) میں جلتی شمع کی مانند ہوں تو چمک دار صبح کی طرح تجھے نہ دیکھوں تو میں جلتی ہوں اور تو ظاہر ہو تو میں ماند پڑجاتی ہوں (۴) نہ تیرا قرب برداشت ہے نہ دوری نہ وصل کی طاقت ہے نہ ہی جدائی کی برداشت۔

چنانچہ اس قسم کی بے چینی پر یہ سورت نازل ہوئی تھی جس کی آیتوں کی تلاوت کی گئی ہے جس کے نزول کا قصہ احادیث میں اس طرح آتا ہے کہ ایک مرتبہ چند روز تک وحی منقطع (۱) ہوگئی جس پر کفار طرح طرح کے طعن کرتے تھے بڑا طعن ان الفاظ میں تھا ترکك شیطانك (۲) ونعوذ باللہ آپ کو انقطاع وحی سے بھی صدمہ (۳) ہوا جیسے محبوب کے خط میں دیر ہونے سے عاشق کو صدمہ ہوتا ہے اور محبوب دیر کیوں کرتا ہے اس لئے تاکہ عشق کی آگ اور بھڑکے اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں تھیں تو ایک صدمہ تو آپ کو انقطاع وحی سے تھا ہی مزید برآں یہ کہ کفار نے طعن دینا شروع کیا کہ بس خدا نے آپ کو چھوڑ دیا بعض نالائقوں نے خدا کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے اس کا بھی آپ کو صدمہ ہوا نہ اس واسطے کہ معتقد کم ہوجاوینگے یہ فکر تو ہم جیسوں کو ہوا کرتی ہے حضور کی شان اس سے ارفع ہے (۴) دوسرے کفار معتقد ہی کہاں تھے بلکہ آپ کو کفار کی ان حرکات سے اس لئے صدمہ ہوا کہ آپ کو امت سے تعلق شفقت بہت ہی زیادہ ہے آپ کی خواہش وتمنا یہ تھی کہ میرا کوئی مخاطب جہنم میں نہ جائے سب کے سب جنتی بن جاویں پھر اس شفقت کے ساتھ کفار کی بدحالی پر جتنا رنج بھی آپ کو ہو تھوڑا ہے۔ حق تعالیٰ نے بار بار اس رنج کو قرآن میں دور فرمایا ہے۔ کہیں فرماتے ہیں ﴿لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ﴾ (۵) کہ آپ کفار کی حرکات پر اتنا رنج کیوں کرتے ہیں آپ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ اتنے آدمی جہنم میں کیوں گئے کہیں ارشاد ہوتا ہے ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ (۶) شاید آپ اس رنج میں اپنی جان کو ہلاک ہی کردیں گے کہ یہ کافر ایمان نہیں لاتے۔ اس آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور کو کفار کی بدحالی سے

(۱) وحی نازل نہیں ہوئی (۲) تجھ کو تیرے شیطان نے چھوڑ دیا۔ اور ہم اس کلمہ کی ادائیگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں (۳) آپ کو وحی کے رکنے سے بھی رنج ہوا (۴) بلند و برتر ہے (۵) سورۃ البقرۃ:۱۱۹ (۶) سورۃ الشعراء:۳۔

کس قدر صدمہ ہوتا تھا جس کے متعلق حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر دینگے جب کسی طرح آپ کا صدمہ کم نہ ہوا تو پھر صاف صاف فرمادیا کہ ہم کو ہی سب کا مسلمان ہونا منظور نہیں ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۱) اور آپ کی تو بڑی شان ہے حق تعالیٰ نے آپ کی امت میں بھی ایسے شفیق لوگ پیدا کئے ہیں جن کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ حضور کا کوئی امتی ان کی وجہ سے جہنم میں جائے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب مہاجر دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دھلوی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی کا واقعہ ہے کہ ایک بار آپ بازار میں کچھ خریدنے تشریف لے گئے کوئی چیز خریدی اور تھیلی میں سے دام نکال کر دکاندار کو دیئے ایک بدوی نے دیکھا اور جب آپ چلے آپ کے پیچھے ہولیا جب آپ اپنے مکان کے قریب گلی میں پہنچے وہ بدوی آپ کے ہاتھ سے تھیلی اُچکا اور وہ جا یہ جا۔ (۲) آپ نے اُس کا کوئی تعاقب نہیں کیا اپنے گھر میں داخل ہوکر زنجیر لگالی اب بدوی جو گلی سے نکلنا چاہتا ہے تو رستہ نہیں ملتا لوٹ پھر کر پھر وہاں ہی پہنچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا بہت پریشان ہوا آخر سمجھا کہ یہ شیخ کا مال لینے کے سبب سے ہے دروازہ پر آکر پکارا یا شیخ یا شیخ اب شیخ بولتے نہیں پھر اُس نے گلی سے نکلنا چاہا مگر رستہ بند پھر شیخ کو پکارا جواب ندارد آخر اُس نے غل مچانا (۳) شروع کیا کہ لوگو دوڑو مجھ کو مار دیا محلّہ کے لوگ آئے اور پوچھا بدوی نے کہا اس گھر میں کون رہتا ہے اُس نے مجھ پر ظلم کیا لوگوں نے اُس کو ڈانٹا کہ اس

(۱) سورۃ یونس: ۹۹، ۱۰۳ (۲) تھیلی چھین کر بھاگ گیا (۳) شور مچانا۔

میں تو ایک بڑے بزرگ رہتے ہیں اُس نے کہا انہیں باہر بلاؤ تب میں بتلاؤں لوگوں نے منت سماجت کر کے حضرت کو بلایا حضرت تشریف لائے بدوی نے کہا انہوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے کہ میں نے ان کی تھیلی چھینی تھی اب ہم کو راستہ نہیں ملتا اب میں تھیلی واپس کرنا چاہتا ہوں تو یہ بولتے نہیں ان سے کہو کہ اپنی تھیلی لے لیں اور میری جان چھوڑیں لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ تھیلی لے لیجئے آپ نے فرمایا میں تھیلی لے نہیں سکتا جب اُس نے تھیلی چھینی تھی اسی وقت مجھ کو یہ خیال ہوا کہ افسوس یہ شخص اس غصب سے دوزخ میں جاویگا میری طبیعت نے اس کو گوارا نہ کیا کہ میرے سبب سے میرا ایک بھائی مسلمان دوزخ میں جاوے اس لئے میں نے یہ اس کو ہبہ کر دیا تھا اب ہبہ سے رجوع نہیں کرتا۔ شیخ پر غلبۂ حال تھا کہ صورت ہبہ کو ہبہ (۱) سمجھے اور صورت رجوع کو رجوع (۲) سمجھے ورنہ ہبہ بدون قبول موہوب لہٗ کے تام نہیں اور قبول بھی مجلس ہبہ میں شرط ہے (۳) اور یہاں دونوں باتیں مفقود تھیں (۴) اس لئے یہ ہبہ شرعاً تام نہیں ہوا (۵) تو اس سے رجوع کرنا بھی رجوع عن الہبہ نہ تھا (۶) مگر ان حضرات کی درجۂ احتیاط میں صورت رجوع سے بھی وہی نفرت تھی جو عین رجوع میں ہوتی ہے تو دیکھئے مولانا نے اُس بدوی کے تھیلی چھینتے ہی یہ فرمایا کہ اے اللہ میری وجہ سے یہ دوزخ میں نہ جائے میں نے یہ تھیلی اس کو ہبہ کر دی تو جب حضور ﷺ کے غلام نہیں چاہتے کہ ان کی وجہ سے کوئی دوزخ میں جاوے تو حضور کب چاہ سکتے تھے۔

(۱) ہدیہ کرنے کی صورت کو ہدیہ کرنا سمجھے (۲) واپس لینے کی صورت کو واپس لینا سمجھے (۳) جب کسی کو کوئی چیز ہدیہ کی جائے تو اس کے صحیح ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ جس کو دیں وہ اس کو اسی مجلس میں قبول کرے (۴) یہاں دونوں شرطیں نہیں پائی جاتی تھی (۵) شرعی طور پر یہ ہبہ مکمل نہیں ہوا (۶) جب ہبہ ہی درست نہیں ہوا تو واپس لینا بھی واپسی ہبہ نہ ہوئی۔

حضور ﷺ کی تسلی کا مضمون

واقعہ انقطاع وحی میں ایک صدمہ تو ہوا محبت حق کی وجہ سے اور دوسرا صدمہ ہوا شفقت علی الخلق کی وجہ سے سبب ثانی کا علاج تو بہت جگہ کر دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾(۱) اور ﴿وَلَاتَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾(۲) ہاں اس مقام پر پہلے سبب کا ازالہ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے آپ سے تعلق قطع نہیں کیا آپ اسکا وسوسہ نہ لائیے پھر اس کی تائید کے لئے اپنے احسانات یاد دلاتے ہیں کہ ہم کو آج ہی نہیں بلکہ آپ کے ساتھ ہمیشہ سے تعلق ہے، ہم ہمیشہ آپ کے اوپر عنایت و کرم کرتے رہے ہیں، پھر آج آپ کو قطع تعلق کا وسوسہ کیوں پیدا ہوا، اس جگہ جو احسانات حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں اُن میں سب سے پہلے ایک جسمانی احسان کو بیان فرمایا ہے ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى﴾ کیا خدا نے آپ کو یتیم نہیں پایا تھا کہ پھر ٹھکانہ دیا۔ ٹھکانہ یہ دیا کہ آپ کے دادا عبدالمطلب اور چچا ابوطالب کو تربیت کے لئے مقرر فرمایا کہ انہوں نے آپ کو یتیموں کی طرح نہیں پالا بلکہ اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھ کر پالا۔ دوسرا احسان باطنی ہے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى یعنی خدا تعالیٰ نے آپ کو (امور قطعیہ سمعیہ سے) ناواقف پایا پھر خبردار کر دیا۔

علوم عقلیہ میں انبیاء کا کمال

قیود میں نے اس لئے بڑھائیں کہ امور عقلیہ کے علم میں انبیاء علیہم السلام بدو فطرت ہی (۳) سے کامل ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عقل میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ ہر زمانہ کے عقلاء کو یہ بات تسلیم کرنا پڑی ہے کہ واقعی انبیاء علیہم السلام کامل

(۱) سورۃ الغاشیۃ: ۲۲ (۲) ان کی مکاریوں کی وجہ سے آپ تنگ دل نہ ہوں (۳) انبیاء عقلی علوم میں ابتداء فطرت ہی سے کامل ہوتے ہیں۔

العقل ہوتے ہیں پس آپ امور عقلیہ سے کسی وقت ناواقف نہ تھے البتہ وہ علوم جو عقل کے ادراک سے باہر ہیں جیسے بعض صفا واجب واحوال جنت و نارو مقادیر عبادات وغیرہ وغیرہ ان سے قبل از وحی آپ بیخبر تھے وحی کے بعد خبردار و ہوئے اور بعض امور عقلیہ ظنیہ میں گو قبل از وحی بھی آپ کو علم حاصل تھا مگر ظنی تھا پھر وحی سے ان کی تاکید کردی گئی تاکہ وحی سے وہ علم قطعی ہوجائے کیونکہ عقل سے بلاواسطہ جو علوم حاصل ہوتے ہیں ان میں خلط وہم کا اندیشہ رہتا ہے اور وحی میں کسی قسم کا احتمال نہیں اس لئے امور عقلیہ وحی کے بعد زیادہ قطعی ہوجاتے ہیں اس لئے شیخ ابن عربی کا مقولہ ہے کہ صوفیہ کے جو علوم حق سے بلاواسطہ ماخوذ ہوں وہ ظنی ہیں اور جو بواسطہ انبیاء کے ہوں وہ قطعی ہیں اسی کو عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است ہشدار و گوش را بہ پیام سروش دار

یعنی صوفیہ کو جو بلاواسطہ القا ہوتا ہے اس میں خلط شیطانی کا اندیشہ رہتا ہے اور جو علوم بواسطہ قرآن و حدیث کے حاصل ہوتے ہیں وہ اس خلط سے بری ہیں اس لئے علوم مکاشفہ میں ضرورت ہے شریعت کے سامنے ان کو پیش کرنے کی اگر شریعت ان کو قبول کرے تو قبول ہیں ورنہ رد ہیں۔

حضور ﷺ کے علوم

غرض حضور ﷺ کے علوم تین قسم کے ہیں۔

۱۔ عقلیہ محضہ جو عقل محض کے متعلق ہیں ان میں تو علوم انبیاء کے سامنے نہ ارسطو کی کچھ حقیقت ہے نہ افلاطون کی۔

۲۔ امور سمعیہ غیر عقلیہ جہاں عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی ان سے قبل از وحی انبیاء علیہم السلام ناواقف ہوتے ہیں وحی کے بعد ہی ان کو علم حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ امور عقلیہ ظنیہ ان میں کبھی تو مزید تاکید کے لئے وحی کی احتیاج (۱) ہوتی ہے، تاکہ وحی سے قطعیت ہوجائے اس وقت وحی آپ کے علم کے موافق نازل ہوتی ہے حضور کے غلاموں کو بھی مطابقت بالوحی ہوگئی ہے تو حضور کو تو کیوں مطابقت نہ ہوتی مگر مزید قطع وحی ہی سے ہوتا ہے اور کبھی بدون وحی کے آپ کو یہ علم ہوتا ہی نہیں اور کبھی وحی ناسخ (۲) اس اجتہاد کی ہوجاتی ہے اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ علوم عقلیہ قطعیہ سے تو حضور ﷺ کسی وقت بھی ناواقف نہ تھے اور امور عقلیہ ظنیہ ہیں بعض سے قبل از وحی واقف تھے اور بعض سے ناواقف تھے اور امور سمعیہ غیر عقلیہ سے بعد وحی ہی کے واقف ہوئے خوب سمجھ لو۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات

غرض اس جگہ حق تعالیٰ نے تین احسان بیان فرمائے ہیں ایک جسمانی بیچ میں روحانی اخیر میں پھر جسمانی یعنی ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴾ کہ آپ کو حاجتمند پایا تو تونگر کردیا اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر امور جسمانیہ کو امور روحانیہ سے تلبس ہوجاوے تو وہ جسمانیات بھی روحانیات ہی میں داخل ہوجاتے ہیں چنانچہ دنیا کو اگر دین کے کاموں میں صرف کیا جائے اور اس کو آخرت کے لئے معین بنایا جاوے تو اس وقت دنیا بھی دین میں داخل ہوجاتی ہے ان احسانات کی یاددہانی سے مطلب یہ ہوا کہ ہم نے آپ پر یہ احسانات کئے ہیں اور ایک مقدمہ یہاں محذوف ہے اس کو ملالیا جائے وہ یہ کہ کریم اپنی عادت کو نہیں بدلا کرتا ہے اس لئے آپ بے فکر رہیئے کہ جو برتاؤ ہمارا آپ کے ساتھ ابتک رہا ہے ہمیشہ وہی برتاؤ رہے گا اور اسی طرح آپ پر انعامات واحسانات ہوتے رہیں گے قطع تعلق کا کبھی وسوسہ نہ لایئے۔

(۱) وحی کی ضرورت (۲) اجتہاد کو منسوخ کرنے والی ہوتی ہے۔

شبہ کا جواب

شاید تم اس مقدمہ پر یہ کہو کہ ہم تو بعض دفعہ انقطاع نعمت دیکھتے ہیں سب سے بڑھ کر نعمت ایمان ہے ہم تو اسکا انقطاع بھی دیکھ رہے ہیں چنانچہ بعض لوگ دین سے مرتد ہوجاتے ہیں جن کی نظیریں (۱) آجکل بہت نظر آرہی ہیں اس شبہ کا جواب ایک آیت میں خود حق تعالیٰ ہی نے دے دیا ہے فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ﴾ یعنی حق تعالیٰ کسی قوم سے اپنا برتاؤ نہیں بدلتے جب تک کہ وہ لوگ خود ہی اپنا برتاؤ خدا تعالیٰ سے نہ بدل دیں پس جو لوگ مرتد ہورہے ہیں یا نیکی وتقویٰ کے بعد معاصی میں مبتلا ہورہے ہیں اول خود ان لوگوں نے اپنا تعلق منقطع کرلیا تب حق تعالیٰ نے بھی اپنی نعمت کو منقطع کردیا۔

انقطاع وحی میں حکمت

اب یہاں ایک مقدمہ اور ماننا پڑے گا وہ یہ کہ آپ نے اپنا تعلق حق تعالیٰ سے کم نہیں کیا اور مقدمہ بالا کی بناء پر کریم کی عادت ہے کہ وہ از خود اپنے برتاؤ کو نہیں بدلا کرتا اس مجموعہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ انقطاع وحی سے قطع تعلق کا وسوسہ ہرگز نہ لائیں رہا یہ سوال کہ پھر وحی منقطع کیوں ہوئی تھی اس میں کیا حکمت تھی تو اُس کو حق تعالیٰ نے اس سورت کے شروع ہی میں اشارۃً بیان فرمادیا ہے ﴿وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی﴾ میں جس میں دن اور رت کی قسم ہے اس میں انقطاع وحی کی حکمت ہی کی طرف اشارہ ہے قرآن کی اقسام (۲) میں علوم ہوتے ہیں قسم سے محض تاکید کلام ہی مقصود نہیں ہوتی بلکہ اُن میں جواب قسم پر استدلال ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس سورت میں بھی جو ضحیٰ ولیل کی قسم ہے تو اس میں بھی اشارہ

(۱) مثالیں (۲) قرآن میں جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔

ہے انقطاع وحی کی حکمت پر جس سے شبہ ہوگیا تھا قطع تعلق اور ناراضی حق کا فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ وحی مثل چاشت (۱) کے ہے اور انقطاع وحی (۲) مثل رات کے ہے اور جس طرح عالم جسمانی کے لئے لیل و نہار کا تعاقب ناگزیر ہے (۳) اور بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہے اسی طرح عالم روحانی میں بھی قبض و بسط کا تعاقب (۴) ضروری ہے۔

رات اور دن کی حکمتیں

کیا آپ یوں چاہتے ہیں کہ تمام عمر دن ہی رہا کرے تو اس صورت میں بھلا رات کی حکمتیں کیونکر حاصل ہوں گی اگر ساری عمر دن ہی رہا کرتا تو انسان ایسا اپنے کام کا حریص ہے کہ تمام دن کام کرنا چاہتا ہے تاجر تجارت میں لگا رہتا کاشتکار زراعت میں لگا رہتا ہر پیشہ والا اپنے پیشہ میں مشغول رہتا چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جاڑوں میں چھوٹا دن ہوتا ہے اُس میں تو تمام دن کام کرتے ہی ہیں گرمیوں میں بڑا دن ہوتا ہے وہ بھی سارا کام ہی میں صرف ہوجاتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جتنا بھی بڑا دن ہوتا انسان اُس کو اپنے کام ہی میں صرف کرتا جان کو آرام نہ دیتا حق تعالیٰ نے اس کی راحت کے لئے دن کے ساتھ رات بھی لگادی جس میں چاہے کتنا ہی روشنی کا انتظام کیا جائے مگر دن کی طرح کام نہیں ہوسکتا پھر دن میں تو اگر نیند کو ٹالنا چاہو ٹال سکتے ہو مگر رات کو یہ ایسا چوکیدار ہے کہ خود بخود دفعۃً آنکھوں پر قبضہ کرلیتا ہے کتنا ہی ٹالو ٹل نہیں سکتا۔

---

(۱) روشن دن کی مانند ہے (۲) وحی کی آمد کا رک جانا (۳) رات دن کا آگے پیچھے آنا ضروری ہے (۶) دل کی ان دو کیفیتوں کا آگے پیچھے آنا۔

قبض و بسط کا فائدہ

اسی طرح بسط میں عبادات کا شوق بہت ہوتا ہے طاعات میں دل خوب لگتا ہے کام اچھی طرح ہوتا ہے اگر سالک پر ہمیشہ بسط ہی رہا کرے تو یہ ہر وقت عبادات ہی میں مشغول رہنا چاہے اور اپنی جان کو آرام نہ دے اور ایسا کرنے سے شوق ختم ہوجاتا پھر عبادت سے معطل ہوجاتا(۱) کیونکہ طبعی امر ہے کہ اگر سارا شوق ایک دم سے پورا کرلیا جاوے تو پھر وہ باقی نہیں رہ سکتا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ طلباء کو فرمایا کرتے تھے کہ سبق کی یاد و تکرار کو ایسے وقت میں چھوڑنا چاہیئے کہ طبیعت میں کچھ شوق باقی رہ گیا ہو شوق کو پورا نہ کرنا چاہیئے ورنہ اس سے پھر شوق باقی نہیں رہتا، اور اس کی عجیب مثال دیا کرتے تھے کہ دیکھو چکئی (۲) پر اگر کچھ ڈورا لپٹا ہوا چھوڑ دیا جائے تب تو وہ پھر لوٹ آتی ہے اور اگر کبھی سارا ڈورا اُتر گیا تو بڑی دقت سے اور دیر میں چڑھتی ہے بس تو یہ شوق چکئی کے ڈورے کے مشابہ ہے، اس کو تھوڑا سا ضرور باقی رکھنا چاہیئے تو ہر روز سہولت سے کام ہوتا رہے گا واقعی عجیب مثال دی ان حضرات کو معقول کا محسوس بنا دینا بہت ہی سہل ہوتا(۳) ہے۔ غرض چونکہ طاعات و عبادات کا کام ساری عمر کا ہے ایک دو دن کا نہیں اور بسط میں شوق زیادہ ہوتا ہے جس سے سالک ہر وقت کام لینا چاہتا ہے اور اسکا انجام تعطل ہوتا ہے اس لئے حق تعالیٰ کبھی کبھی قبض طاری کردیتے ہیں جس میں چند روز کے لئے سالک کام کی زیادتی سے رُک جاتا ہے کسی کام میں دل نہیں لگتا کیفیات و واردات میں کمی آجاتی ہے کام کرنا بھی چاہتا ہے تو نہیں ہوسکتا جس میں سالک یہ

(۱) عبادت ترک کرکے بیٹھ جاتا (۲) لکڑی کا ایک کھیل ہوتا ہے جس پر ڈورا لپیٹ کر لڑکے کھیلا کرتے ہیں ۱۲
(۳) عقلی باتوں کو حسی مثالوں سے سمجھا دینا بہت آسان ہوتا ہے۔

سمجھتا ہے کہ طاعات میں کمی آ گئی مگر حقیقت میں وہ طاعات کی ترقی ہے کیونکہ قبض کے بعد جو بسط آئیگا تو پھر خوب ہی کام ہوگا اور اگر قبض کبھی نہ ہوا کرے تو چند روز کے بعد شوق جب پورا ہوجائیگا پھر ساری عمر کام نہ ہوسکے گا کیونکہ انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اس کا جوش اور شوق پورا ہوجاتا ہے پھر اس سے کام نہیں ہوتا اس لئے قبض کی ضرورت ہے تاکہ سارا شوق ایک دفعہ ہی میں ختم نہ ہوجائے اس سے معلوم ہوا کہ قبض کا ورود دراصل بسط کے لئے ہے(۱) اس لئے قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیئے بلکہ اُس کے بعد جو بسط آئیگا اُس کا خیال کرکے دل کو تسلی دینا چاہیئے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بیں تازہ باش وچیں میفگن برجبیں(۲)
چونکہ قبضے آیدت اے راہرو آں صلاح تُست آں دل مشو(۳)

یہ حکمت تھی انقطاع وحی میں جس کی طرف وَالضُّحٰی وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی میں قسم کے ضمن میں اشادہ کیا گیا ہے۔

شبہ کا جواب

شاید اس مقام پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں حق تعالیٰ حضور پر اپنے احسان جتلا رہے ہیں جو تو ہم ہے ضعف تعلق اور خجل کرنے کو(۴) اور حضور کو یتیم ہونے اور فقیر ہونے کو بیان فرما رہے ہیں جو تو ہم ہے اظہار نقص(۵) کو سو احسان جتلانے کا جواب تو یہ ہے کہ اس سے مقصود کیا ہے اس کو دیکھنا چاہیئے اوپر معلوم

(۱) حالت قبض کا طاری ہونا حالت بسط کے لئے ہے (۲) جب قبض کی حالت پیش آئے تو اس حالت میں بسط کا تصور کرو خوش رہو پیشانی پر بل نہ ڈالو (۳) قبض کی حالت کا پیش آنا تیری اصلاح کے لئے ہے اس پر دل گرفتہ نہ ہو (۴) جس سے تعلق کی کمزوری کا وہم اور شرمندگی ہوتی ہے (۵) جس سے عیب کے اظہار کا وہم ہوتا ہے۔

ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ کو انقطاع وحی سے صدمہ اور رنج ہوا تھا نیز کفار نے طعنے دیئے تھے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو چھوڑ دیا حق تعالیٰ نے اُس کے جواب میں اپنے احسانات بیان فرمائے ہیں جس سے مطلب یہ ہے کہ ہم ہمیشہ آپ کے حال پر نظرِ عنایت کرتے رہے ہیں اور کریم اپنے برتاؤ کو از خود نہیں بدلا کرتا آپ انقطاع وحی سے قطع تعلق کا وسوسہ نہ کیجئے پس یہاں اظہار احسان سے مقصود مخاطب کے ساتھ اپنی قوۃ تعلق کو ظاہر کرنا ہے نہ وہ احسان جتلانا جس سے مقصود مخاطب کو شرمندہ کرنا ہو۔

محبوب کے عتاب میں بھی لطف ہے

رہا یہ کہ حضور کے یتیم وفقیر ہونے کو بیان کرنے سے اظہار نقص کا شبہ ہوتا ہے، اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ ظاہر کرنے والا کون ہے حق تعالیٰ ہی تو ظاہر کر رہے ہیں سو محبوب اگر محبّ کے متعلق کوئی نقص کی بات بھی کہدے اُس سے جو خوشی ہوتی ہے اُس کو عاشق ہی کا دل جانتا ہے پس جس کو آپ اظہار نقص سمجھتے ہیں اس کو حضور کے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ آپ کو اس میں کیا لطف آیا ہوگا۔ سورۂ عبس میں بظاہر حضور ﷺ کو کچھ عتاب فرمایا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایک بار آپ کی مجلس میں رؤسائے قریش جو سردارانِ کفار تھے بیٹھے ہوئے تھے اور حضور اُن کے سمجھانے میں مشغول تھے کہ شاید ان کو ہدایت ہو جاوے، اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم صحابی نابینا حاضر ہوئے اور پکار کر عرض کیا یا نبی اللّٰہ علمنی مما علمك اللّٰہ حضور کو اُس وقت اُن کا آنا کسی قدر گراں ہوا کیونکہ غرباء کے ساتھ مل کر بیٹھنے کو رؤساء قریش گوارا نہ کرتے تھے تو آپ کو خیال ہوا کہ اب ان غریبوں کے آنے سے یہ کمبخت چلے جائیں گے اور ہدایت سے محروم رہیں گے آپ کی نیت بالکل بجا تھی مگر غریب مسلمانوں کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کو

رؤساء کفار کی ہدایت کا اتنا اہتمام بھی گوارا نہیں جس سے غرباء کا آنا کسی وقت بارِ خاطر ہو اس لئے سورۂ عبس میں حضور کو نہایت لطیف عنوان سے اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ نابینا کا حاضرِ مجلس ہونا حضور پر گراں کیوں ہوا۔ پھر اس خطاب میں آپ کو کیسا لطف آیا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد جب کبھی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر مجلس ہوتے تو حضور فرمایا کرتے مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی۔ مرحبا اُس شخص کو جس کے متعلق میرے پروردگار نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ محبوب کے عتاب آمیز خطاب میں جو لذت ہوتی یہ اس کو عشاق ہی جانتے ہیں۔

ایک بزرگ کا حال

ایک بزرگ کے مرید حج کو جارہے تھے چلتے ہوئے شیخ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے حضور میں ہمارا سلام عرض کردینا چنانچہ جب وہ حاضر روضۂ اطہر ہوئے شیخ کا سلام عرض کیا وہاں سے جواب عطا ہوا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہد ینا جب یہ شخص واپس آیا اور شیخ کی زیارت کو گیا اُنہوں نے پوچھا کہو بھائی ہمارا سلام عرض کیا تھا اُس نے کہا جی ہاں عرض کیا تھا حضور نے ارشاد فرمایا کہ اپنے پیر کو ہمارا بھی سلام کہد ینا مرید نے بدعتی کا لفظ نہ کہا۔ شیخ نے فرمایا کہ ایک لفظ کیوں چرالیا جو جان تھی خطاب کی کہا حضرت میں ادب کی وجہ سے وہ لفظ نہیں کہہ سکتا اور آپ کو تو معلوم ہی ہے پھر میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے فرمایا کہ سننے میں جو لطف ہے وہ جاننے میں تھوڑا ہی ہے اور تم کو ادب یا بے ادبی سے کیا تعلق تم تو پیام رسان (۱) ہو تم کو وہی کہنا چاہیئے جو حضور نے فرمایا ہے وہ تمہارا کہا ہوا نہ ہوگا بلکہ حضور کا فرمودہ ہوگا چنانچہ مرید نے مجبور ہو کر کہا کہ حضور نے فرمایا تھا کہ اپنے

(۱) پیغام پہنچانے والے ہو۔

بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہد ینا بس یہ سنتے ہی شیخ کو وجد آ گیا رقص کرتے تھے اور یوں کہتے تھے ؎

بدم گفتی وخرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جوابِ تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا(۱)

لطف سماع

یہاں لوگوں کو تعجب ہوا ہوگا کہ جو بات شیخ کو پہلے ہی سے معلوم ہو چکی تھی اس کے سننے سے کیوں وجد ہوا جاننے سے کیوں نہ وجد ہوا ہائے اس سننے کی حقیقت عشاق ہی کو معلوم ہوتی ہے ابونواس کہتا ہے ؎

الا فاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر ولا تسقنی سرامتی امکن الجھر

محبوب سے کہتا ہے کہ مجھ کو شراب پلا اور یہ بھی کہتا رہ کہ یہ شراب ہے بھلا کوئی اس سے پوچھے کہ جب تجھ کو اُس کا شراب ہونا معلوم ہے پھر اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ کہتا بھی رہے کہ یہ شراب ہے، یہ شراب ہے، مگر اس کو عاشق ہی کا ذوق سمجھ سکتا ہے۔ کہ جاننے میں وہ لطیف نہیں جو نام سننے میں لطف ہے۔ ہمارے ایک دوست اپنی ایک بیوی کے عاشق تھے ان کی حالت یہ تھی کہ بیوی سے پوچھا کرتے کہ میں کون ہوں وہ کہتی کہ تم میرے عاشق ہو اس پر انکو وجد ہوتا تھا ناچتے کودتے تھے واقعی اپنے عشق کے جاننے میں وہ مزہ کہاں جو محبوب کے اس کہنے میں لطف ہے کہ تم میرے عاشق ہو۔ یہ راز تھا جس کی وجہ سے شیخ نے مرید کی زبان سے وہی لفظ سننا چاہا جو حضور نے فرمایا تھا اور چونکہ وہ محض سفیر تھا اس لئے اُس وقت اُس کا کہنا گویا حضور کا فرمانا تھا اس لئے شیخ کو وجد آیا تو دیکھئے ان بزرگ کو حضور کے اس ارشاد سے کیسا لطف آیا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا سلام کہد ینا

(۱) اس وقت جو کچھ تو نے کہا ہے میں اس پر راضی ہوں اللہ تجھے جزائے خیر دے تو نے درست کہا ہے تیری شیریں زبان ہی اس تلخ جواب کے لائق ہے۔

حالانکہ بدعتی ہونا سخت عیب اور مذموم ہے مگر حضور کے منہ سے اُن کو یہ لفظ پیارا معلوم ہوا اور مراد اس سے حقیقت بدعت کی نہ تھی ایسا شخص حضور اقدس ﷺ کے سلام کا مستحق کہاں ہے محض صورت بدعت مراد ہے جس میں عشاق غلبۂ محبت سے مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کو ان الفاظ سے جو مسرت ہوئی ہوگی اس کا حال کون معلوم کرسکتا ہے۔

حضور ﷺ کے کمال کا اظہار

دوسرے مسوق لہ الکلام (۱) میں غور کرنے سے یہاں اظہار نقص کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا بلکہ حق تعالیٰ کو ان حالات سے حضور کا کمال ظاہر کرنا مقصود ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آپ کے ان حالات کا اہتمام خود ہم نے کیا تھا کہ جب آپ یتیم ہوئے تو ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا اور جس کی آسائش (۲) کا اہتمام خود حق تعالیٰ فرمائیں تو وہ آسائش کامل ہی ہوگی۔ چنانچہ واقعی آپ کے دادا اور چچا نے ایسی محبت و شفقت کے ساتھ حضور کو پرورش کیا ہے کہ باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کرسکتا اسی طرح جب آپ کو مفلس پایا تو حق تعالیٰ نے غنی کردیا تو یہ غنا بھی کامل ہی ہوگا، کیونکہ حق تعالیٰ نے خود اس کا اہتمام فرمایا اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ حضور ﷺ کے پاس مال اتنا زیادہ کہاں تھا جس سے آپ کے غنا کو کامل کہا جاوے تو سمجھ لینا چاہیئے، کہ اول تو حضور کو غنائے ظاہری کی ضرورت نہ تھی اور جو اصل غنا ہے یعنی غنائے قلب وہ تو آپ کے پاس بدو فطرت (۳) سے موجود تھی اور نبوت کے بعد اُس میں اسقدر ترقی ہوئی کہ کسی کو بھی آپ کے برابر غنائے قلب حاصل نہ ہوگا (کیونکہ اسکا مدار توکل اور تعلق مع اللہ پر ہے اور ان صفات میں حضور سے زیادہ کوئی

(۱) جس غرض کے لئے یہ کلام کیا گیا ہے (۲) راحت و آرام (۳) ابتدائے پیدائش سے۔

کامل نہیں اس لئے آپ کے غنائے قلب کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا ۱۲) بلکہ ظاہری غنا سے تو اہلِ قلب کو اور پریشانی ہوتی ہے اور اُس کے حقوق کا خیال کر کے یہ پریشانی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

حضرت سلیمان کی تسلی

اُسی کے ازالہ کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ هذا عطاء نا بغير حساب یہ ہماری عطا ہے اور بے حساب یعنی بیشمار بغیر حساب سے کثرت کا بتلانا مقصود ہے اور ایک تفسیر یہ ہے کہ بغیر حساب معمول ہے فامنن اوامسك کا یعنی ہماری عطاء ہے خواہ دو یا نہ دو آپ سے اس کے حقوق کے متعلق کوئی سوال اور باز پرس نہ ہوگی جس طرح چاہو تصرف کرو کلی اختیار ہے۔ دوسری تفسیر مجھے زیادہ پسند ہے اور واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اتنی بڑی سلطنت اور اس کا ناز و سامان خارِ جان (۱) ہو جاتا اگر اُن کی تسلی اس طرح نہ کی جاتی جب بغیر حساب فرما کر بارِ غم (۲) ہلکا کر دیا گیا اُس کے بعد انہوں نے بے فکری سے سلطنت کی اس سے ظاہری سامان کی کثرت کا موجب پریشانی (۳) ہونا ثابت ہو گیا تب ہی تو اسکا ازالہ کیا گیا۔

حضور ﷺ کا انتخاب

اسی واسطے جب حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اختیار دیا کہ چاہے نبی ملک ہونا اختیار کرلیں یا نبی عبد ہونا حضور ﷺ نے جبرئیلؑ کے مشورہ سے نبی عبد ہونا اختیار کیا اگر آپ بھی نبی ملک ہونا چاہتے تو آپ سے بھی یہی ارشاد ہوتا هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اور اس سے آپکی بھی تسلی کر دی جاتی مگر آپ

(۱) وبال جان ہو جاتا (۲) غم کا بوجھ (۳) پریشانی کا باعث ہونا۔

نے سلطنت پر عبدیت کو ترجیح دی اور غنائے ظاہری کو اختیار نہیں فرمایا۔

حضور ﷺ کا غنائے ظاہری

دوسرے اگر غنائے ظاہری ہی مراد لی جائے جیسا مشہور مفسرین میں یہی ہے تو گو آپ کے پاس مال جمع نہ رہتا تھا اور اسی سے شبہ عدم غنائے (۱) ظاہری کا ہوسکتا ہے مگر جو مقصود ہے غنائے ظاہری سے کہ کوئی مصلحت المکی (۲) نہ رہی وہ مقصود اس طرح حاصل تھا کہ وقتاً فوقتاً اس طرح مال آتا تھا کہ سلاطین و امراء کی طرح آپ خرچ فرماتے تھے جس میں یہ بھی حکمت تھی کہ آپ مقتدا تھے (۳) اور مقتدا کے لئے وقعت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ عرفاً تمول (۴) سے ہوتی ہے بشرطیکہ تمول پر تحول بھی مسلط ہو (یعنی سخاوت بھی ہو کہ لوگوں کو دیتا دلاتا رہے جس سے مال چلتا پھرے) چنانچہ حضور ﷺ کے ظاہری غنا کی بھی یہ حالت تھی کہ آپ نے حج وداع میں سو اونٹ قربانی کئے جن میں تریسٹھ اپنے دست مبارک سے نحر (۵) کئے جس کی کیفیت حدیث میں آتی ہے کلھن یزد لفن الیه کہ ہر اونٹ حضور کی طرف اپنی گردن بڑھاتا تھا گویا ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کیجئے سبحان اللہ کیا شان محبوبیت تھی ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ برکف بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد (۶)

یہ شعر حضور ہی کی شان میں زیادہ چسپاں ہے واقعی آپ تو ایسے ہی تھے کہ جانور اپنی گردنیں خود آگے بڑھاتے تھے اور ہر ایک چاہتا تھا کہ کاش پہلے میں آپ کے ہاتھ سے ذبح ہو جاؤں تو اتنے اونٹوں کا ذبح ہونا بدون ظاہری غنا کے کب ممکن

(۱) ظاہری طور پر آپ کے پاس زیادہ مال نہیں تھا (۲) کوئی مصلحت فوت نہ ہو (۳) راہنما (۴) عام طور پر مالداری سے ہوتی ہے (۵) ذبح کئے (۶) جنگل کے تمام جانوروں نے اس امید پر کہ آج محبوب شکار کے لئے آئے گا اپنے سر ہتھیلی پر رکھ لئے۔

ہے اسی طرح آپ کی عطاء اور سخاوت کی یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ آپ نے سو سو، دو دو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطا فرمائے ایک اعرابی کو بکریوں کا بھرا جنگل عنایت فرمادیا۔ بحرین سے جب مال آیا تو وہ اتنا تھا کہ مسجد میں سونے چاندی کا ڈھیر لگ گیا اور حضور نے سب کا سب ایک دم سے بانٹ دیا اور بعض صحابہ کو اتنا دیا جتنا وہ اُٹھا سکتے تھے ایسی نظیریں تو سلاطین کے یہاں بھی نہیں سنی جاتیں اس سے آپ کا غنائے ظاہری بھی ظاہر ہے کیونکہ غنائے ظاہری کی حقیقت مال کا رکھنا نہیں ہے بلکہ مال کا خرچ کرنا ہے وہ بوجہ اکمل ثابت ہوگیا۔

حضور ﷺ کا کمال ہدایت

اس کے بعد وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں آپ کی کمال ہدایت کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ نے خود آپ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام فرمایا تو ضرور ہے کہ اسکا درجہ بھی کامل ہو۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا علم کتنا کچھ کامل تھا۔ بھلا جس نے بچپن میں کسی اُستا سے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو نہ ایک حرف لکھا ہو اُس کے علم کی یہ حالت کہ تمام دنیا کو علم سکھادیا عرب کے جاہلوں کو ارسطو وافلاطون سے زیادہ حکیم بنادیا یہ کمال ہدایت نہیں تو کیا ہے۔ حضور ﷺ کے علوم کا اندازہ احادیث کے پڑھنے سے اور قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے چنانچہ قرآن کے مطالب کو ایسا کوئی شخص حل نہیں کرسکا جیسا کہ حضور ﷺ اس کو جانتے تھے ادھر احادیث میں حضور ﷺ نے اصلاح اخلاق وتہذیب نفس وحسن معاشرت وتمدن وقضا وامارت وسلطنت کے جو اصول وقواعد بیان فرمائے ہیں ان کو دیکھ کر آپ کے علوم کا اندازہ ہوسکتا ہے بھلا کوئی شخص بھی ایسا جامع ہوسکتا ہے جو عبادات کی بھی کامل تعلیم دے اخلاق کی بھی، معاملات کی بھی، معاشرت کی بھی اور تمدن وسیاست کی بھی پھر تعلیم بھی کیسی پاکیزہ جس کی نظیر ملنا محال ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اس مقام پر حضور

کے نقائص کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ آپ کے احوال کی تکمیل وکمال کو بیان فرمایا ہے۔ خوب سمجھ لو اشکال کا جواب تو ہوگیا۔

وجہ اختیار مضمون

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ مضمون اس وقت میں نے کیوں اختیار کیا میں اس وقت اسکا سبب بتلاتا ہوں۔ احباب کو معلوم ہے کہ میں چندہ کا ذکر وعظ میں کبھی نہیں کیا کرتا اور یہ میرے اندر کمی ہے کیونکہ جب حق تعالیٰ نے قرآن میں جا بجا انفاق فی الخیر کی ترغیب دی ہے تو میں اس سے رکنے والا کون ہوں مگر اس کمی میں ، میں منفرد نہیں بلکہ سامعین بھی شریک ہیں ان کی شرکت اس بناء پر ہے کہ لوگوں کو انفاق کا ذکر ناگوار ہوتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو خود میری کمی کا سبب بھی یہی ہے، اگر لوگوں کو چندہ کا ذکر ناگوار نہ ہوا کرتا تو میرے رُکنے کی کوئی وجہ نہ تھی اسی لئے میں اس کا بیان بہت ہی کم کرتا ہوں مگر جب کرتا ہوں تو صاف صاف کرتا ہوں واعظوں کی طرح ہیر پھیر نہیں کرتا جیسے ایک صاحب نے چندہ کی ترغیب دی، ایک عورت نے اپنے پیر سے ایک جھانور نکال کر دے دی تو اب آپ کو فکر ہوئی کہ کسی طرح دوسری جھانور بھی لینی چاہیئے فوراً ایک مضمون گھڑا اُس عورت کو بہت دعا دی شاباشی دی پھر کہا مگر افسوس یہ ہے کہ ایک پیر تو جنت میں ہے اور ایک پیر دوزخ میں اُس عورت نے یہ سن کر دوسری جھانور بھی نکال کر پھینکدی حالانکہ یہ مضمون بالکل غلط تھا بھلا ایک جھانور نہ دینے سے دوسرا پیر دوزخ میں کیوں چلا گیا بلکہ وہ تو جنت سے بھی باہر نہ رہے گا اسی طرح بعض لوگ علم کی فضیلت بیان کرنا شروع کرتے ہیں پھر مدارس کی ضرورت بتلا کر اپنے مدرسہ کی امداد کا ذکر کرنے لگتے ہیں جس سے سننے والے کو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ علم کے سارے فضائل اپنے مدرسہ کے چندہ کے واسطے بیان ہوئے تھے تو میں ایسا نہیں کرتا کہ چندہ کے ذکر کا کسی مضمون پر جوڑ لگاؤں بلکہ جب کبھی میں اس کا ذکر شروع کرتا ہوں اُسی وقت صاف کہدیتا ہوں کہ

اب میں چندہ کا بیان کروں گا جس کو ناگوار ہو وہ اُٹھ جائے اس کے بعد بھی جو بیٹھا رہے وہ اپنی خوشی سے سنتا ہے تو میری طرف سے اُن پر کسی ناگوار بیان کا بوجھ نہیں پڑا۔

چندہ کے بیان سے ناگواری کا سبب

اب میں یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو چندہ کا بیان ناگوار کیوں ہے اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہندوستان کے لوگ چندہ دینے میں بخیل ہیں۔ یہ خیال تو مجھے بیان چندہ سے مانع بہت کم ہوا البتہ یہ خیال کبھی کبھی مانع ہوتا تھا کہ یہاں کے مسلمان دیگر ممالک کے مقابلہ میں مفلس زیادہ ہیں شاید اس لئے ان کو چندہ کا بیان ناگوار ہوتا ہے مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے مسلمان باوجود افلاس کے بہت چندہ دینے والے ہیں حتی کہ ان کے برابر کسی جگہ کے مسلمان چندہ دینے والے نہیں تو ایسی حالت میں افلاس بھی ناگواری کا سبب نہیں ہوگا وہ ناگواری صفت سخا کے سبب زائل ہوجاویگی پس جب نہ بخل اس ناگواری کا سبب ہوا اور نہ افلاس، تو پھر اور کیا سبب ہے، سنئے اس ناگواری کا اصلی سبب یہ ہے کہ ہم مولویوں اور واعظوں اور لیڈروں میں بعضے ایسے بھی ہیں جنہوں نے چندہ مانگا اور لوگوں کی جیبوں سے روپیہ نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا پھر وہ ہانڈی اور تنور میں لگ گیا غریب مسلمان تو اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر چندہ دیں اور یہ اُس سے اپنے پیٹ کا دوزخ بھریں چنانچہ آجکل ہر طرف سے چندوں کی بابت اس قسم کی شکایتیں سننے میں آتی ہیں پھر اب لوگوں کو چندہ کا بیان گراں کیوں نہ ہو مگر اس ناگواری کا علاج مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے وہ خود اس کا علاج کرسکتے ہیں وہ یہ کہ ہر شخص کو روپیہ نہ دیں بلکہ ایسے ہاتھوں کو دیں جن میں احتیاط کا مادہ ہے۔

یتامیٰ کی امداد

پس میں چندہ کی تحریک کرتا ہوں اور محل بتلاتا ہوں اس محل کے متعلق

مجھے اس وقت یہ کہتا ہے کہ یہاں حق تعالیٰ شانہ نے حضور ﷺ کے تین حالات بیان فرمائے ہیں (۱) یتیم ہونا (۲) مسکین ہونا (۳) علوم سمعیہ سے ناواقف ہونا اور اس کے مقابلہ میں آپ نے تین افعال بیان فرمائے ہیں (۱) ایواء (۲) اغناء (۳) ہدایت وتعلیم۔ اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے حالات سب کامل ہیں آپ کی کوئی حالت ناقص نہیں ہوسکتی اور منجملہ آپ کے حالات کے ایک یتیم ہونا بھی ہے تو یہ حالت بھی کمال کی ہوگی تو جو شخص یتیم ہوگا وہ ایک گونہ حضور ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھنے کے سبب صاحب حالت کاملہ وقابل احترام ہوگا پس یتیم قابل تعظیم بھی ہوا اور اس کی حالت قابل توجہ بھی ہوئی چنانچہ حق تعالیٰ نے بھی اس مقام پر صفت یتیمی کو اپنی توجہ کا سبب بتایا ہے کیونکہ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی میں ایواء(۱) کو متفرق کیا گیا ہے یتیم پر، کیونکہ فاء عاطفہ میں تعقیب پر دلالت ہوتی ہے جس سے ما بعد کا ماقبل پر متفرع ہونا مفہوم ہوتا ہے اور اگر اس کو فاء سببیہ کہا جائے پھر تو سببیت پر دلالت ظاہر ہے لیکن اگر سببیہ بھی نہ ہو تو محض عاطفہ ہونا بھی دلالت علی التفرع سے خالی نہیں جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ایواء میں یتیم ہونے کو گونہ دخل ہے بہرحال یتیموں کی حالت کا قابل توجہ ہونا اس آیت سے بخوبی ظاہر ہے اور اس وقت آپ جس انجمن کے جلسہ میں شریک ہیں سب کو معلوم ہے کہ اس کے مقاصد میں یتیموں کی پرورش بھی داخل ہے اس لئے ہم کو چاہیئے کہ اس کام میں وسعت کے موافق حصہ لیں اور یتیموں کی امداد کا ضرور خیال کریں اور گو اس آیت میں حق تعالیٰ نے یُتم پر (۲) صرف ایواء (۳) کو مرتب فرمایا ہے جس کے معنی ہیں ٹھکانا دینا جگہ دینا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف جگہ دینا ہی مراد نہیں بلکہ ہر قسم کی آسائش کا انتظام کر دینا مراد ہے کیونکہ محاورات میں ٹھکانا دینا اُسی وقت بولا جاتا

(۱) ٹھکانہ دینے کو یتیم ہونے پر متفرع کیا ہے (۲) یتیم ہونے پر (۳) ٹھکانہ دینے پر۔

ہے جبکہ کسی شخص کی آسائش کا پورا انتظام کر دیا جائے (چنانچہ جب کسی شخص کو اچھی جگہ ملازمت مل جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ بھائی خدا کے فضل سے ہمیں تو ٹھکانا مل گیا یعنی آسائش کی صورت مل گئی ورنہ محض مکان سے تو وہ پہلے بھی خالی نہ تھا) اس لئے ہم کو یتیموں کے کھانے کپڑے کا بھی انتظام کرنا چاہیئے اُن کے لئے مکان کا بھی انتظام کرنا چاہیئے چنانچہ یہ انجمن بہت خوبی کے ساتھ یہ سب کام کر رہی ہے اور یہ سب ایواء ہی میں داخل ہیں پھر اس وقت یہاں ایواء لغوی بھی موجود ہے وہ یہ کہ یتیموں کے لئے مکان کی ضرورت ہے کیونکہ پرانا مکان کافی نہیں ہے اور یتیموں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے اس لئے ایسی جگہ کی ضرورت ہے جو وسعت کے ساتھ کافی ہو سکے سکریٹری صاحب انجمن سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے زمین کا انتظام تو اس طرح فرما دیا کہ حکومت کی طرف سے ایک بڑا قطعہ مل گیا ہے جو بہت کافی ہے مگر حکومت نے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کی ہے کہ اُس میعاد میں مکان کی تعمیر شروع ہوگئی تب تو انجمن کا قبضہ اُس زمین پر مسلم (۱) ہوگا ورنہ زمین واپس لے لی جائیگی اور اس شرط میں حکمت بھی تھی کیونکہ کسی کو جائیداد دینا تو مقصود نہیں بلکہ ایک کام کے لئے جگہ دینا مقصود ہے اگر وہ کام ہوا تب تو دی جائے گی اور کام نہ ہوا تو واپس لے لی جائے گی یہ بھی ان کی زبانی معلوم ہوا کہ پہلی میعاد ختم ہوگئی تھی پھر اس میں توسیع کرائی گئی پھر بھی تعمیر مکان کا انتظام نہ ہو سکا اب وہ میعاد بھی ختم ہونے کو ہے اور اب تک تعمیر کا انتظام مکمل نہیں ہوا اس لئے یہ جلسہ تجویز کیا گیا تا کہ عام مسلمانوں کو اس ضرورت سے مطلع کیا جائے کیونکہ اگر اب بھی تعمیر کا کام شروع نہ ہوا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک قیمتی قطعہ نکل جائے گا جس کا ملنا ہر وقت آسان نہیں سکریٹری صاحب سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس ضرورت کے لئے بیرون شہر چندہ کی کوشش کی تو باہر کے لوگوں نے یہ کہا کہ یہ کام

(۱) قبضہ تسلیم کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

ایک خاص شہر کے متعلق ہے پہلے ہم کو یہ بتلاؤ کہ اُس شہر کے باشندوں نے اس میں کیا حصہ لیا پھر ہم بھی شریک ہوجائیں گے اور واقعی ان کا یہ سوال بجا تھا کیونکہ کسی ضرورت کے واقعی اور غیر واقعی ہونے کا حال اُن لوگوں کو سب سے زیادہ ہوتا ہے جہاں کی وہ ضرورت ہے پس اگر وہ واقعی ضرورت ہوتی ہے تو اُس جگہ کے اہل خیر ضرور اُس میں شریک ہوتے ہیں اور جس کام میں اُس جگہ کے رہنے والے شریک نہ ہوں تو اس سے باہر والوں کو اُس کے ضروری ہونے میں بلکہ واقعی ہونے میں شبہ ہوجاتا ہے علاوہ ازیں یہ کہ جو ضرورت جس جگہ کی ہوتی ہے اُن پر سب سے زیادہ حق بھی ہوتا ہے اس لئے سب سے پہلے باشندگانِ شہر کو اس امداد میں حصہ لینا چاہیئے اسی غرض کے لئے یہ جلسہ کیا گیا ہے تاکہ آپ حضرات کو اسی ضرورت سے مطلع کیا جائے اب ضرورت ہے کہ مسلمان اس میں توجہ کریں پس تعمیر مکان میں امداد کرنا تو ایواء یتیم میں داخل ہوگیا پھر یتیم لڑکے یہاں رہ کر تعلیم دین بھی حاصل کرتے ہیں تو اس میں ہدایت ضال بھی ہے، پھر یہاں جتنے یتیم بچے ہیں وہ سب مسکین بھی ہیں اور آپ کی امداد سے ان کو کھانا کپڑا ملے گا ان کی حالت درست ہوگی ان کو غناء حاصل ہوگا تو اُس میں امداد کرنے میں اغناء مسکین (۱) بھی ہے۔

دستکاری کی تعلیم

نیز یہاں یتیموں کو دستکاری کی بھی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ وہ یہاں سے فارغ ہوکر اپنی معیشت کا سامان سہولت سے کرسکیں اس کا بھی اغناء مسکین ہونا ظاہر ہے اور دستکاری کی تعلیم کو دنیا نہ سمجھا جائے بلکہ اگر نیت اچھی ہو تو وہ بھی دین میں داخل ہے مثلاً یہ نیت کی جائے کہ یتیم بچے دستکاری سیکھ کر سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے بچیں گے یا ناجائز طریقوں سے دنیا نہ کمائیں گے اس نیت سے

(۱) مسکین کو غنی کردینا بھی ہے۔

دستکاری سیکھنا اور سکھانا کسب حلال میں داخل ہے جس کے متعلق ارشاد ہے کسب الحلال فریضة من بعدالفریضته (۱) اور میں تو آجکل اس کی تعلیم کو بہت ہی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ ایسا شخص جو کسی قسم کا پیشہ اور ہنر جانتا ہو مخلوق کو دھوکہ دیکر دنیا نہ کمائے گا جیسا کہ آج کل بہت لوگوں نے پیرزادگی کا جال پھیلا رکھا ہے اور بہت سے نااہلوں نے وعظ گوئی کو ذریعۂ معاش بنالیا ہے۔

دینی تعلیم کے ساتھ دوسری تعلیم کے انضمام کا نقصان

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دینی مدارس میں دستکاری کی شاخ کھولدی جائے کیونکہ ہر کام کا ایک اصول ہوتا ہے بے اصول کے کوئی کام سرسبز نہیں ہوتا پس دستکاری کی تعلیم کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اس کو دینی تعلیم کے ساتھ منضم کیا جائے (۲) کیونکہ پھر دونوں کے مدغم ہوجانے کا اندیشہ ہے اول اول انضمام ہوتا ہے پھر انجام کار ادغام (۳) ہوجاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دینی تعلیم کا نام ہی نام رہ جاتا ہے حالانکہ مسلمانوں کو جہاں دستکاری کی ضرورت ہے وہاں اس سے زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ اُن میں ایسے افراد پیدا ہوں جو علوم دین میں متبحر ہوں اور تجربہ ہے کہ دینی تعلیم میں تبحر اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ طالب علم تعلیم دین کے وقت ہمہ تن اسی طرف متوجہ ہو اور دستکاری کی شاخ ملجانے کے بعد توجہ منقسم ہوجائے گی اس لئے دین میں تبحر حاصل نہ ہوسکے گا۔ اسی لئے میں اس کا بھی مخالف ہوں کہ دینی مدارس میں تقریر و مناظرہ کی تعلیم کے لئے کوئی شعبہ قائم کیا جائے کیونکہ تجربہ ہے کہ طالب علم تقریر و مناظرہ میں زمان تعلیم کے وقت مشغول ہوکر پھر کتابوں میں پوری توجہ نہیں کرتے جس سے ان کی کتابی استعداد ناقص (۴) رہ جاتی ہے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان

(۱) نماز روزہ فرائض کے بعد حلال روزی کمانا فرض ہے (۲) ملادیا جائے (۳) شروع میں دونوں تعلیمیں چلتی رہتی ہیں پھر ایک تعلیم دوسری میں مدغم ہوجاتی ہے اور دینی تعلیم کا صرف نام باقی رہ جاتا ہے (۴) کمزور۔

کاموں کے لئے مستقل مدارس قائم کئے جائیں دینی مدارس میں محض مسائل دین اور اُن کے مقدمات کی تعلیم ہونی چاہیئے اور دستکاری کے مدرسوں میں محض دستکاری کی تعلیم ہونی چاہیئے۔ اور مناظرہ کے مدارس میں محض مناظرہ کی تعلیم ہونی چاہیئے اس طرح جو شخص جس مدرسہ سے فارغ ہوگا وہ اُس کام میں ذی استعداد اور فاضل ہوگا۔

تعمیر یتیم خانہ میں شرکت کی مختلف صورتیں

غرض اس وقت ایواء یتیم ہدایت طالب واغناء مسکین سب جمع ہیں جن کے محل میں حضور ﷺ کی شانیں جھلک رہی ہیں اور اس محل کے ساتھ معاملہ جمیل (۱) کرنے میں حق تعالیٰ کے افعال کی شانین جھلک رہی ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ سب مسلمان توجہ کریں میرے نزدیک اس کی آسان صورت یہ ہے کہ جولوگ زیادہ وسعت رکھتے ہیں وہ یتیم خانہ کا ایک ایک کمرہ لے لیں کہ وہ کمرہ خالص ان کی رقم سے تعمیر کردیا جائے اور اگر ایک شخص ایک کمرہ نہ بنا سکے تو چند آدمی مل کر ایک کمرہ کی تعمیر اپنے ذمہ لے لیں شاید بعض عورتیں بھی امداد کرنا چاہیں اُن کو چاہیئے کہ فرش اور لپائی کا خرچ وہ اپنے ذمہ لے لیں تو دیواریں مردوں کی ہوں گی اور فرش عورتوں کا پھر وہ لطیفہ ہوجائے گا جو مولوی عبدالرب صاحب نے سہارنپور کی جامع مسجد کے متعلق ایک زنانہ وعظ میں فرمایا تھا وعظ میں اول تعمیر مسجد کے فضائل بیان فرمائے پھر کہا کہ افسوس ہے ہماری بہنیں اس فضیلت سے محروم رہ گئیں کیونکہ مسجد مکمل ہوچکی سارا کام قریب الختم ہے پھر کہا ہاں خوب یاد آیا ایک کام تو ابھی باقی ہے اور اصل کام وہی ہے اور وہ فرش کا کام ہے کیونکہ مسجد میں نماز تو فرش ہی پر پڑھتے ہیں بس ہماری بہنوں کو مسجد کا فرش بنوادینا چاہیئے اس میں یہ لطف ہوگا کہ جب فرشتے نمازیوں کی نمازوں کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے تو یوں

(۱) عمدہ معاملہ۔

عرض کریں گے کہ لیجئے حضور بندوں کی نمازیں اور بندیوں کی جانمازیں مولوی عبدالرب صاحب کے وعظ میں ایسے لطیفے بہت ہوا کرتے تھے۔

عورتوں سے چندہ لینے میں احتیاط

مگر عورتوں سے اگر چندہ لیا جائے اور اس غرض سے زمانہ میں وعظ کہا جائے تو اُس میں چند امور کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ عورتوں کے وعظ میں اشعار نہ پڑھے جائیں اور اگر پڑھے جائیں تو آواز بنا کر نہ پڑھے جائیں بلکہ سیدھے سادے طریقہ سے پڑھدیئے جائیں۔ دوسرے یہ کہ مجلس وعظ میں اگر عورتیں چندہ دیں تو اُس کو اس وقت نہ لیا جائے بلکہ اُن سے کہدیا جائے کہ اپنے شوہروں یا عزیزوں کے ہاتھ بھیجیں کیونکہ عورتیں چندہ میں اکثر اپنا زیور دیا کرتی ہیں اور زیور دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ جو انکو باپ کی طرف سے ملتا ہے یہ تو ان کی ملک ہوتا ہے دوسرا وہ جو شوہر بنا کر ان کو دیتا ہے یہ بعض جگہ تو عورتوں کی ملک ہوتا ہے اور بعض جگہ مردوں کی ملک ہوتا ہے جو عورتوں کو محض استعمال کے لئے مستعار(۱) دیا جاتا ہے تو اس زیور میں تو شوہر کی رضا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ وہ اُس کی ملک ہے عورتوں کو اُس میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں، اور جو زیور خاص عورتوں ہی کی ملک ہو گو اُس میں شوہر کی اجازت کی تو ضرورت نہیں مگر مناسب یہ ہے کہ عورتیں خالص اپنی مِلک میں بھی کوئی تصرف شوہر کی مرضی کے خلاف نہ کریں اور مجلس وعظ میں جو چندہ عورتیں دیتی ہیں وہ عموماً شوہر سے مشورہ کئے بغیر دیتی ہیں کیونکہ وہ تو فوری جوش کا اثر ہوتا ہے اس سے پہلے اُن کی نیت ہی نہیں ہوتی تو مشورہ کس سے کرتیں اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ مجلس وعظ میں عورتوں کا چندہ نہ لیا جائے بلکہ اُن سے کہدیا جائے کہ جس کو جو کچھ دینا ہو وہ اپنے باپ یا شوہر یا اور کسی عزیز کے ہاتھ بھیجیں۔ مجلس وعظ

(۱) استعمال کے لئے عاریۃ دیا جاتا ہے۔

کے بعد جو کچھ وہ بھیجیں گی اُس میں مشورہ کرسکتی ہیں نیز چندہ لینے والا تحقیق بھی کرسکتا ہے باقی مجلس وعظ میں عورتوں سے چندہ لینے کے تو مفاسد بہت جگہ تجربہ میں آچکے ہیں اس لئے مہتممان مدارس کو اس سے بہت احتراز کرنا چاہیئے۔

چندہ کے حقوق

یہ اجمالی بیان تھا عورتوں کے چندہ کے حقوق کا اور عام چندوں کے حقوق تو بارہا بیان ہوئے ہیں اُن کے بیان کی اس وقت ضرورت نہیں جن میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ کسی پر کسی قسم کا اثر ڈال کر یا دباؤ ڈال کر چندہ نہ لیا جائے اب میں ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ سب مسلمان یتیم خانہ کی تعمیر مکمل کرنے میں پوری توجہ کریں گے جتنی جس میں ہمت ہو اُس سے دریغ نہ کیا جائے نہ تو اپنے اوپر بار ڈالا جائے اور نہ اتنی غفلت کی جائے کہ کچھ بھی خیال نہ ہو اور جس سے مالی امداد نہ ہوسکے وہ دوسروں کو ترغیب دیں اور جس سے یہ بھی نہ ہوسکے وہ دعا سے امداد کرے مسلمان کی دعا بھی بڑی امداد ہے اور جس سے یہ بھی نہ ہوسکے وہ خدا کے لئے اسلامی کام میں روڑے تو نہ اٹکاوے کیونکہ آجکل بعض لوگ اس مذاق کے بھی ہیں جو نہ خود کام کریں نہ کسی کو کرنے دیں بس اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے حق تعالیٰ ہم کو توفیق خیر دے۔

جلسہ کی بقیہ کاروائی

اور سامعین کو چاہیئے کہ وعظ کے بعد فوراً منتشر نہ ہوں بلکہ تھوڑی دیر توقف کریں انجمن کی طرف سے ایک رپورٹ پڑھی جائے گی اُس کو میں نے بھی دیکھا ہے اور کہیں کہیں مناسب مشورے بھی دیئے ہیں جو خوشی کے ساتھ قبول کئے گئے اس میں جہاں تک میرا خیال ہے جو کچھ ہے صحیح مضمون ہے کسی قسم کی مضمون نگاری نہیں ہے رپورٹ کے ساتھ ایک نظم بھی ہے جو کسی نے خوب ہی درد سے لکھی ہے وہ سننے کے قابل ہے اس کا مضمون ایسا ہے کہ کوئی شخص اُس سے متاثر ہوئے

بغیر نہیں رہ سکتا حق تعالیٰ ناظم کو جزائے خیر دے (اس کے بعد حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی بدون ہاتھ اُٹھا کر دعا کر کے ممبر سے اُتر آئے کیونکہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے کے بعد اکثر مجمع منتشر ہوجاتا ہے۔ حضرت کے ممبر سے اُترنے کے بعد انجمن کی طرف سے رپورٹ سنائی گئی پھر یتیم بچوں نے دردناک لہجہ سے نظم پڑھنا شروع کی یتیموں کی زبانی اُن کی المناک کہانی سن کر سارا مجمع بیساختہ رونے لگا بعضوں کی ہچکیاں بندھ گئیں بالآخر یتیم بچے بھٹلا دیئے گئے اور نظم کو ایک دوسرے صاحب نے پورا کیا اس کے بعد امام صاحب جامع مسجد نے ایک پرزور و پرجوش تقریر سے سامعین کو تعمیر یتیم خانہ کی طرف متوجہ کیا جس پر چاروں طرف سے چندہ کی رقمیں لکھوائی جانے لگیں تقریباً آدھ گھنٹہ میں سات آٹھ ہزار روپیئے کے وعدے لکھوائے گئے بعض اہلِ خیر نے صدر دروازہ کی تعمیر اپنے ذمہ لی بعض حضرات نے ایک ایک کمرہ کی تعمیر کا وعدہ فرمایا بعض نے نقد امداد کی حضرت اقدس سیدی حکیم الامت دام مجدہم نے بھی یتیم خانہ کی تعمیر میں مبلغ ۵ (۱) روپئے عنایت فرمائے جو نہایت مسرت وابتہاج (۲) کے ساتھ قبول کئے گئے اور لاکھوں سے زیادہ سمجھے گئے بالآخر بارہ بجے کے بعد جلسہ نہایت خیروخوبی وکامیابی کے ساتھ ختم ہوا حضرت حکیم الامت نے اس وقت ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی سامعین نے بھی ہاتھ اُٹھائے اور بارگاہ رب العالمین میں عجز ونیاز سے التجائیں ہونے لگیں)

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

(۱) مبلغ پانچ روپے (یہ پانچ روپے کی علامت ہے جس کو حضرت نے بہشتی زیور میں تفصیل سے لکھا ہے)
(۲) بہت خوشی سے۔

خلیل احمد تھانوی

راہبر تو بس بتادیتا ہے راہ
راہ چلنا راہرو کا کام ہے
تجھ کو مرشد لے چلے گا دوش پر
یہ ترا راہرو خیالِ خام ہے
(مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

فکر دنیا تجھ کو صبح وشام ہے
اس سے غفلت ہے جو اصلی کام ہے
کچھ دنوں سہہ لے مشقت دین کی
پھر تو بس آرام ہی آرام ہے

کامیابی تو کام سے ہوگی
نہ کہ حسنِ کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی